



This work is licensed under a
[Creative Commons Attribution 4.0
International License](https://creativecommons.org/licenses/by/4.0/)



AL DALILI

Bi-Annual, Multilingual (Arabic, Balochi, Birahvi, English, Pashto, Persian, Urdu)

ISSN: 2788-4627 (Print), ISSN: 2788-4635 (online)

Project of RAHATULQULOOB RESEARCH ACADEMY,

Jamiat road, Khiljiabad, near Pak-Turk School, link Spini road, Quetta, Pakistan.

Website: www.aldalili.com

Approved by Higher Education Commission Pakistan

Indexing: » IRI (AIOU), Tahqeeqat, Euro pub, MIAR.

TOPIC

اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں علماء و صوفیاء کا کردار

**The role of scholars and Sufis in the promotion and dissemination
of Urdu language**

AUTHOR

1. Hafiz Muhammad Rauf, Ph.D Scholar, Department of Qura'an and Tafseer, Allama Iqbal Open University, Islamabad, Pakistan.
2. Dr. Sanaullah Hussain, Chairman, Department of Qura'an and Tafseer, AIOU, Islamabad, Pakistan. Email: Sana.ullah@aiou.edu.pk

How to Cite: Hafiz Muhammad Rauf, & Dr. Sanaullah Hussain.

(2022). URDU: اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں علماء و صوفیاء کا کردار: The role of scholars and Sufis in the promotion and dissemination of Urdu language. *Al-Dalili*, 4(1), 49–73. Retrieved from

<https://aldalili.com/index.php/dalili/article/view/94>

URL: <https://aldalili.com/index.php/dalili/article/view/94>

Vol.4, No.1 || July–December 2022 || URDU: Page. 49-73

Published online: 11-08-2022

QR. Code



اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں علماء و صوفیاء کا کردار

The role of scholars and Sufis in the promotion and dissemination of Urdu languageحافظ محمد روف¹ ثناء اللہ حسین²**ABSTRACT:**

Urdu Language became most prominent in sub-continent due to Islamic Scholars, preachers, writers and reformers. They adopted it as a main tool their religious activities. They converted Islamic literature in Urdu from Arabic and Persian languages. After their arrival in this region, they engaged in it with fully devotion, translated Holy Quran & traditions of Holy Prophet (PBUH) and wrote millions of books in all aspects of its literature & linguistics. Muslim rulers, scholars, preachers, debaters, leaders, Sufis and traders promoted Urdu as their heritage from 17th century till now and developed it in all types of literature like poetry, drama, novel, history, biographies and stories etc. All types of poetry and prose had been written in Urdu language by Muslim scholars and Sufis such as Moulana Altaf Hussian Haali, Mufti Muhammad Shafi, Moulana Ahmed Raza Khan, Abu al ahla Moudodi, moulvi Abdul Haq, Mufti Taqi Usmani, Moulana Israr Ahmed, Abdul Salam bhatvi, Abdul Hakeem Sharaf Qadri and Alama Mohsin Najfi. Today Urdu language is popular in all over the world and accepted as 3rd biggest language because of Muslim's love and efforts.

Keywords: Islamic Scholars, preachers, writers, reformers, dissemination of Urdu language.

اردو زبان کی ابتدا ہندوستان میں عرب تاجروں کی آمد کے ساتھ ہی ہو گئی تھی۔ جب مسلمان ہندوستان میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے تو ان کے ساتھ مسلمان علماء عظام اور صوفیاء کرام بھی تھے جنہوں نے ہندوستان میں اسلام کی ترویج و ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ علماء کسی بھی قوم یا معاشرے کی اساس ہوتے ہیں جو قوم و معاشرے کی تہذیب و ثقافت اور زبان و ادب کی تحریر و تشہیر کے لیے ہمہ وقت مصروف عمل رہتے ہیں۔ صوفیاء کرام کی تبلیغ و اشاعت کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ انہوں نے عوام اور خواص دونوں کے ساتھ برابری کا برتاؤ کیا۔ ہندو معاشرے میں چھوٹی ذات کے ہندو تیزی سے مذہب اسلام سے متاثر ہو گئے اور اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔ صوفیاء نے ربط و روحانی تربیت کے لیے جو زبان اختیار کی وہ نہ تو فارسی تھی نہ عربی اور نہ ہی سنسکرت اور نہ کوئی علاقائی زبان تھی۔ یہ ایسی زبان تھی کہ جس میں عربی فارسی کے علاوہ ہندوستان کی مقامی بولیوں کے الفاظ بھی شامل تھے۔ درحقیقت یہ وہی زبان تھی جس نے بعد میں اردو کے نام سے مقبولیت حاصل کی۔ رفتہ رفتہ یہ زبان عوام اور خواص میں نمایاں ہوتی چلی گئی۔ اردو زبان و ادب کی اہمیت اور حیثیت سے آج انکار کسی صورت ممکن نہیں۔

اردو کی تشکیل و تجمیل اور ترویج و اشاعت میں علماء و فضلاء کی بیش بہا خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اردو زبان کی ابتدائے آفرینش سے لے کر ارتقا کی مکمل تاریخ میں مسلم علماء و واعظین اور اسلامی مبلغین کی عظیم خدمات شامل رہی ہیں، خواہ اردو کی نحوی و صرفی ساخت کی بات ہو، یا لفظیات و مصطلحات کی بات ہو، یا پھر مترادفات یا استعارات اور تشبیہات و تمہیحات کی بات ہو، یا پھر کتابت و خطابت ہو، یا پھر صحافت

و طباعت ہو مثلاً سر سید احمد خاں، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی، مفتی محمد شفیع، مولانا حالی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا محمد حسین آزاد، مولوی عبدالحق، مولانا عبد الماجد دریا آبادی، مولانا محمد علی جوہر، مولانا قاضی اطہر مبارکپوری، عبد السلام ندوی، سید سلیمان ندوی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، پیر کرم شاہ الازہری، نیاز فتحپوری، مولانا عمر عثمانی، مولانا محمود حسن، مولانا عبید اللہ سندھی، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، محدث عصر علامہ انور شاہ کشمیری، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی کفایت اللہ، علامہ سید مناظر احسن گیلانی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، قاری محمد طیب قاسمی اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، حسرت موہانی، حیات اللہ انصاری، اکبر الہ آبادی، فیض احمد فیض، کیفی اعظمی، درد، مجروح سلطان پوری، مرزا غالب، میر، مومن، سراج دکنی، داغ دہلوی، جیسے نہ معلوم کتنے ہی ایسے نام ہیں کہ اگر انہیں اردو ادب و تاریخ سے نکال دیا جائے تو شاید یہ عمارت انہدام کی شکار ہو جائے۔ آج بھی ان گنت مذہبی زعماء اردو زبان کی تعمیر و ترقی میں پیش پیش ہیں اور ایسے ادبی شہ پارے اور نوادرات چھوڑے ہیں کہ اب یہ زبان چار دانگ عالم میں عام ہو گئی۔ جیسے مفتی تقی عثمانی، علامہ طاہر القادری، مولانا غلام رسول سعیدی، علامہ اسرار احمد، علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری، علامہ عبد السلام بھٹوی، علامہ محسن علی نجفی اور بے شمار ایسے افراد جو تصنیف و تالیف میں ید طولی رکھتے ہیں۔

ان علماء و شیوخ نے نہ صرف اردو زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا بلکہ دینی علوم و فنون کو بھی اردو زبان میں منتقل کر دیا حتیٰ کہ دین کی مصادر و اھمات کتب کے تراجم کر کے اردو زبان و ادب کو چار چاند لگائے۔ وعظ و نصیحت، خطابت و تحریر اور درس و تدریس میں اردو زبان کے احیاء و بقا کی طرح ڈالی۔ علمی و ادبی مجالس میں بھی اردو زبان کو دوام بخشا۔ چونکہ مذہبی والہانگی، ادبی وارفتگی اور نسلی وابستگی کے باعث مسلمانان برصغیر پاک و ہند نے اردو زبان کو حرجاں بنایا اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے سرکف ہو گئے۔ انگریزوں کی حقارت اور ہندوؤں کی نفرت کے سبب اردو زبان مسلمانان ہند کی توجہ و التفات کا مرکز و محور بن گئی۔ آج یہ عالم ہے کہ دنیا کی چوتھی بڑی زبان بن کر ابھر رہی ہے۔

اردو زبان کی ترقی و ترویج و ابتداء میں صوفیاء نے بھی نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ان صوفیاء کرام کے اقوال و ملفوظات اور رسائل نے بھی زبان و ادب کی ترویج و ترقی میں حصہ ڈالا۔ علماء و صوفیاء نہ صرف مذہبی علوم پر دسترس رکھتے تھے بلکہ ان میں سے اکثر شاعری اور دیگر علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان صوفیاء کی شاعری اور ان کی اکثر تالیفات و تصانیف دنیا کے اہم کتب خانوں کی رونق ہیں۔ سندھ کے اولیاء کرام میں شیخ ترابی، شیخ نوح بھکر، عثمان مروندی، ربیع بن صبیح اسعدی البصری، شیخ ابو تراب تابعی اور لعل شہباز قلندر کے نام خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ سندھ کے علاوہ جنوبی ہند کے اولیاء نے بھی مذہب اور زبان و ادب کیلئے نمایاں خدمات انجام دیں، جن میں تطہیر ولی، بابا فخر الدین، سید ابراہیم شہید اور سید عبدالقادر ولی کے نام نمایاں نظر آتے ہیں۔ بنگال کے صوفیہ میں شیخ جلال الدین تبریزی، شیخ سراج، شیخ علاؤ الدین الحق بنگالی لاہوری، حضرت نور قطب عالم اور شیخ جلال مجر د سلہٹی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ان تمام صوفیہ کا تذکرہ اردو ادب کی تاریخ میں نمایاں نظر آتا ہے۔ پنجاب کے صوفیاء میں داتا گنج بخش علی ہجویری کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ نے نہ صرف مذہب کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا بلکہ اس وقت کی رابطے کی زبان میں تصوف کے اسرار و رموز کے حوالے سے ایک کتاب ”کشف المحجوب“ لکھی۔ اس کے علاوہ بہاؤ الدین زکریا ملتانی، خواجہ معین الدین چشتی، چشتیہ سلسلے کے بزرگوں میں قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید گنج شکر، حضرت نظام الدین اولیاء، صابر کلیری اور حضرت نظام الدین اولیاء کے مریدین میں امیر خسرو کا کردار نمایاں نظر آتا ہے۔ اس بات سے انکار ممکن نہیں ہے

کہ اردو کی ابتداء و ارتقاء میں اولیائے عظام و صوفیائے کرام کا کردار اساسی حیثیت کا حامل ہے۔¹

اردو زبان کا ابتدائی پس منظر

دو آہ شمالی ہندوستان کا علاقہ تھا جہاں پر شور سینی پر آ کر تہ جو قبل مسیح باقاعدہ زبان کی حیثیت اختیار کر چکی تھی اور سنسکرت کا اس پر اثر نمایاں تھا دو سو سال میں پورے شمالی ہندوستان میں مقبول عام ہوئی اور ہر جانب چھا گئی۔ دسویں صدی عیسوی میں جب مسلمان کثیر تعداد میں یہاں وارد ہوئے تو یہی زبان زد عام تھی جو کہ "کھڑی بولی" یا ہندوستانی کے نام سے جانی جاتی تھی۔ مسلمان بڑی تعداد میں افغانستان سے پنجاب اور پنجاب سے دہلی پہنچتے تھے جو اپنے ساتھ عربی اور فارسی زبانیں لائے تھے۔ مسلمانوں کی بدولت عربی اور فارسی کے ان گنت الفاظ و محاورات شور سینی میں داخل ہوتے گئے اور نئی زبان معرض وجود میں آئی۔² یہ نظریہ اردو زبان کے آغاز و ابتداء کے بارے میں دوسرے نظریات سے سب سے زیادہ قابل قبول ہے۔ مسلمانوں اور مقامی باشندوں کے میل جول سے اس نوخیز زبان کو عروج ملتا گیا۔ یہ نئی پہلے ہندی۔ ہندوی اور ریختہ کا ناموں سے موسوم ہوئی بعد ازاں اردو نام پایا۔ اتفاقاً اردو زبان کا آغاز ہندی سے ہوا جو بعد میں ہندوستان کی زبان عام بن گئی اور اس کا مرکز دہلی بنا جو مسلمان حملہ آوروں کی جائے ورود اور بادشاہت کا دار السلطنت تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ لشکر و بازار سے اس زبان نے نشوونما و ترقی پائی لیکن یہ مخلوط بازاری زبان نہیں ہے۔³ اس کے بعد ترکی اور فارسی ادیبوں اور شعراء کا اس زبان کی طرف رجحان رہا اور اس کے دوام میں پیش پیش رہے جیسے خواجہ مسعود سعد سلمان لیکن ان کا دیوان آج مفقود ہے۔⁴

برطانوی راج کی طرف سے 1835ء میں برصغیر میں فارسی زبان کی سرکاری حیثیت کو ختم کر کے انگریزی زبان کو سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا لیکن چونکہ فارسی زبان ایک طویل عرصہ برصغیر کی سرکاری زبان رہی اس لیے اردو جو اس زمانہ میں عوامی زبان تھی، پر اس کا اثر کسی دوسری زبان سے قدرے زیادہ رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کو "دختر فارسی" کہا جاتا ہے۔ اردو زبان کے اکثر الفاظ کی بنا فارسی زبان ہے۔ برصغیر میں برطانوی راج کے دوران انگریز کی غاصبانہ حکومت کے خلاف رد عمل میں مسلمانوں برصغیر میں سے اکثریت نے انگریزی زبان کی شدید مخالفت کی۔ ان کا موقف تھا کہ زبان کے ذریعہ سے برطانوی استعمار اپنی تہذیب و تمدن کو سادہ لوح مسلمانوں کے عقائد و نظریات کو خراب کرنے کیلئے استعمال کرے گا۔ اسلامی ادب و تاریخ کا بہت بڑا ذخیرہ فارسی زبان میں تھا لہذا فارسی زبان کو ترک کرنا اسلامی ادب کو فراموش کرنا تھا۔ مختلف مدارس کے علماء و فضلاء نے اردو زبان کو ذریعہ تعلیم و تدریس بنایا اور تحریر و تقریر کی صورت میں اردو زبان و ادب کی اشاعت و ترویج کو دوام بخشا۔ اس زمانہ میں مدارس نے اردو زبان و ادب کے جو مایہ ناز ادیب و شاعر اور نثر نگار پیدا کیے، ان میں مفتی کفایت اللہ، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا یوسف بنوری، قاری محمد طیب، مفتی محمد شفیع، مولانا سعید احمد اکبر آبادی، مولانا حفیظ الرحمن سیوہاروی، مولانا احمد رضا بریلوی، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا ابوالحسن علی ندوی، سید سلیمان ندوی قابل ذکر ہیں۔ چنانچہ 1902ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشن کانفرنس علی گڑھ کے تحت جب انجمن ترقی اردو کی بنیاد رکھی گئی تو علامہ شبلی نعمانی کو سیکرٹری جنرل کا عہدہ سونپا گیا۔ بعد ازاں 1912ء میں بابائے اردو مولوی عبدالحق جب اس کے سیکرٹری بنے تو پھر انجمن نے خوب ترقی کی اور ہندی اردو تنازع میں انجمن نے اردو زبان کے تحفظ و بقا کے ناقابل فراموش خدمات سرانجام دیں جو آگے چل کر تحریک پاکستان کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ قیام پاکستان کے بعد آج بھی پاک و ہند کے دینی مدارس کے فضلاء بہترین اردو بولنا اور لکھنا جانتے ہیں اور یہی فضلاء عصری اداروں میں اردو

کی درس و تدریس پر مامور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسکول کالج اور یونیورسٹیوں میں شامل اکثر و بیشتر کتب کے مصنفین علمائے کرام ہیں، لہذا یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ پاک و ہند میں اردو زبان کی ترقی میں علمائے کرام اور صوفیائے عظام کا مرکزی کردار روز اول سے آج تک ہے۔⁵

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے فروغ و صوفیائے کرام کا نمایاں کردار تھا۔ زبان کے تشکیلی مراحل سے اس کی ترقی تک صوفیاء کرام کے مختلف سلسلوں نے اس کو اختیار کیا اور اس سے قربت کا محرک بنے۔ اگرچہ صوفیاء کرام کا اصل مقصد تبلیغ و اصلاح تھا مگر بندگان خدا تک ترسیل و ابلاغ کے ایک ذریعے کے طور پر انھوں نے اس زبان کو اختیار کیا۔ کچھ تو ان کا خلوص اور جدوجہد اور کچھ اردو زبان کا عوامی لہجہ دونوں نے مل کر ایک دوسرے کو تقویت بخشی۔ واقعہ یہ ہے کہ صوفیائے کرام ایک ایسی دنیا کی تعمیر میں منہمک تھے جہاں دنیاداری کا شائبہ تک نہیں تھا بلکہ ایثار و اخلاص کی کار فرمائی تھی۔ ایثار و اخلاص کے اسی ماحول میں اردو زبان نے اپنا سفر شروع کیا۔

اردو نظم نگاری میں علماء و صوفیاء کی خدمات

جب سے مسلمانوں نے برصغیر میں قدم رکھا اسی وقت سے مقامی زبانوں پر ہندی و فارسی کے اثرات مرتب ہونا شروع ہو گئے۔ مسلمانوں نے جب اردو کو اپنے لیے چن لیا تو اس میں عربی و فارسی کے دخیل الفاظ کا حصہ بھی زیادہ ہو گیا۔ برصغیر کے مسلمانوں کی اپنی سماجی زندگی کا ایک خاص نچ تھا اور زندگی کے کچھ رسوم و رواج اور کچھ تقاضے بھی تھے۔ مسلمانوں نے اپنی ظاہری و باطنی اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کی عکاسی اور ترجمانی کا اہل بنانے کے لیے اردو زبان کو عربی و فارسی کے کثیر تعداد الفاظ، اصطلاحات، محاورات، تلمیحات اور اسالیب بیان عطا کر دیے۔ مختلف اصناف مثلاً غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی وغیرہ کا اضافہ کیا گیا۔ شعری تنقید کا انداز مستعار لیا گیا۔

برصغیر پاک و ہند میں بادشاہوں کے دربار ادبی، تہذیبی و ثقافتی سرگرمیوں کے لئے مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ مگر ان درباروں تک رسائی عوام کی بجائے چند مقررین اور حاشیہ نشینوں کو میسر تھی۔ جن کی سرپرستی میں شاعروں اور ادیبوں کا ایک مخصوص حلقہ علم و ادب کی آبیاری میں مصروف رہتا۔ ادب کے اس اثرانیہ دائرے میں رہنے والے ادیب اور شاعر معاشی حوالوں سے فوائد بخورتے رہتے تھے لیکن ادب کی صحیح معنوں میں آبیاری ان درباروں سے ہٹ کر بھی ہو رہی تھی اور ایسے عوامی دربار موجود تھے، جہاں ہر ملک اور ہر خطے کے انسان باآسانی رسائی حاصل کر سکتے تھے۔ یہ صوفیائے کرام کے آستانے اور خانقاہیں تھیں جہاں سے تمام انسان روحانیت، صبر و سکون، قناعت اور توکل کا عملی درس حاصل کرتے رہتے تھے۔ اور جن کی مہلغانہ کوششوں اور کاوشوں کی وجہ سے زبان و ادب کو بھی فروغ مل رہا تھا۔

بقول محمود شیرانی "اردو زبان زیادہ تر خانقاہ نشینوں کی گود میں پلے ہے، لیکن میں اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر یہ محسوس کرتا ہوں کہ ہندوستان کی جدید تہذیب جس کو ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد کی تہذیب کہنا چاہئے اس کو ایک نئی زبان کے ذریعے گھر گھر پہنچانے میں اس ہندوستان کے صوفیاء کرام کی بڑی خدمات رہی ہیں، جس نے اسلام کو سرزمین ہند پر استحکام تو بخشتا ہی ساتھ ہی اخلاقیات کی نئی دنیا یہاں وضع کی۔ قدیم رسومات سے ہندوستان کو چھڑکارا دلاتے ہوئے نئی فکر سے یہاں کے باشندگان کا رشتہ جوڑا اور فرسودہ روایات کا خاتمہ کرتے ہوئے پیار اور محبت سے ہندی عوام کو علم کی نئی روشنی سے متعارف کروایا۔"⁶

اردو ادب میں تصوف ہمیں غزل میں ہی ملے گا۔ چونکہ اس زمانے میں جب تصوف کی تحریکیں بام عروج پر تھیں۔ اس وقت اردو ادب غزل ہی کی صورت میں موجود تھا۔ جب یہ تحریکیں شمالی ہند میں اپنے نقش چھوڑ رہی تھیں تو یہاں شمالی ہند میں سب سے پہلے حضرت امیر

خسرو کی آغوشِ محبت میں آنکھ کھولی اور اسی آغوشِ محبت میں غزل اور تصوف آپس میں متعارف ہوئے۔ اردو غزل نے تصوف کی گود میں جب آنکھ کھولی تو وہ حال و قال کی محفلوں اور صوفیوں اور درویشوں کی صحبتوں میں پروان چڑھی۔ صوفیوں نے اپنے لیے اسے وسیلہ اظہار بنا کے اپنے روحانی فیض کو نگر نگر، گلی گلی پہنچایا۔ حضرت خسرو کی کہہ مکر نیاں، پہیلیاں اور دوہے اس کا مسلم ثبوت ہے۔ اردو شاعری کی ابتدا تصوف کے ان رجحانات سے ہوئی تھی، جن میں عشقِ مجازی کو عشقِ حقیقی کا زینہ قرار دیا جاتا تھا اور جن میں تصوف کا رنگ اپنی اصلیت کے ساتھ نمایاں ہے۔ اردو میں ایسی برگزیدہ ہستیاں گئی جتنی ہیں۔ سر آج اورنگ آبادی، خواجہ میر درد، شاہ نیاز بریلوی، عبدالعلیم آسی ایسے شاعر ہیں، جن کی شاعری کا اصلی رنگ عشقِ حقیقی کا عرفان ہے۔ ان کے یہاں بھی اپنی اپنی انفرادیت کی بنا پر حقیقی عشق کی روحانی کیف و سرمستی اور رموز و نکات کے بیان کرنے کے اسالیب باہم مختلف ہیں۔ خواجہ میر درد اس رنگ کے امام ہیں۔ درد کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا
نالہ فریاد آہ اور زاری آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا⁷

ولی دکنی

ان کے نام میں اختلاف ہے بعض محمد ولی، بعض شمس ولی اللہ، بعض ولی محمد کہتے ہیں۔ البتہ ان کی تعلیم و تربیت احمد آباد میں شاہ وجیہ الدین کی خانقاہ کے مدرسہ میں ہوئی۔ ولی کی شخصیت حسن سے متاثر ہے لیکن اس میں تلون اور گھٹیا پن نہیں۔ ولی کی شاعری کے چار اہم پہلو ہیں تاریخی، ثقافتی، فنی اور جمالیاتی۔ مغل شہنشاہ اورنگ زیب کے آخری زمانے میں دکن کے سب سے مشہور شاعر ولی دکنی قابل ذکر ہیں۔ ان کو اردو شاعری کا "باو آدم" بھی کہا جاتا ہے۔⁸ وہ تھے تو اورنگ آبادی لیکن کبھی برہان پور، کبھی سورت اور کبھی دلی کو اپنا مسکن بنایا۔ وہ جہاں بھی گئے شاعری کو دوام بخشا اور لا تعداد شعراء کو وجود ملا۔ انہوں نے مثنویاں، رباعیاں اور متعدد نظمیں لکھیں۔ کئی اشعار اتنے صاف اور سادہ ہیں کہ آج کی تخلیق معلوم ہوتے ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ دلی کی حکومت یا اہل دہلی نے جس جس خطے میں قدم رکھا خواہ وہ پنجاب ہو یا گجرات، دکن کے صوبے ہوں یا مدراس وہاں انھوں نے زبان پر اپنا نقش ضرور چھوڑا اور وہ نقش ایسا گہرا ہے کہ اب تک اجاگر نظر آتا ہے۔ اس بارے میں اہل اللہ اور صوفیاء کو نہیں بھولنا چاہیے، ان کے نام اس فہرست میں سب سے پہلے آتے ہیں۔ ان کی یہ خدمت دینی خدمت سے کچھ کم نہیں۔

سجن میں ہے شعرا آشنائی نہ ہو کیوں دل شکار آشنائی

صنم تیری مروت پر نظر کر ہو اہوں بے قرار آشنائی⁹

دکن میں 700ھ کے بعد جن صوفیاء کی تعلیمات کا رواج عام ہوا شروع ہوا اور جن کی نثر و نظم کے ذریعے اردو زبان ایک نئی صورت میں مزید پختگی کے ساتھ عوام الناس میں پھیلنے لگی، ان میں بہت سے نام آتے ہیں، لیکن بالخصوص جن شعر اور نثر نگاروں نے تصوف کی تعلیمات کے ذریعے اردو زبان کو عروج بخشا وہ بہت نمایاں اور کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ان سربر آوردہ ادبا میں چند ایک نام یہ ہیں: سید

محمد اکبر حسینی، عبداللہ، حسینی، شاہ میراں، جی شمس العشاق، وجہی، شاہ راجو حسینی، برہان الدین جانم، شاہ امین الدین اعلیٰ وغیرہ۔¹⁰

اردو زبان کی تشکیلی عہد میں صوفیاء کی جو لسانی خدمات رہی ہیں اس سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا، اس ضمن میں جن صوفیاء کو سب

سے زیادہ اعتبار حاصل ہے ان میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز (متوفی 1422)، برہان الدین قطب عالم (متوفی 1453ء)، سراج الدین ابو البرکات شاہ عالم (متوفی 1475ء)، شاہ صدر الدین (متوفی 1471ء)، شاہ میراں جی شمس العشق (متوفی 1496ء)، شیخ بہاؤ الدین باجن (متوفی 1506)، سید محمد جوپوری (متوفی 504ء)، قاضی محمود دریائی (متوفی 1534ء)، شیخ عبدالقدوس گنگوہی (متوفی 1538ء)، شیخ برہان الدین جانم (متوفی 1582ء)، شیخ خوب محمد چشتی (متوفی 1614ء)، شاہ حسین (متوفی 1599ء)، عبدالرحیم خان خانانا (متوفی 1626ء)، سلطان باہو (متوفی 1690ء)، بلھے شاہ (متوفی 1787ء)، وارث علی شاہ (متوفی 1905ء) وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام اکابر صوفیاء کی جو لسانی خدمات ہیں اس نے اردو کو ہندوستان میں بحیثیت زبان اس ملک کے کونے کونے تک پھیلا یا اور عوام کو اس زبان سے اتنا قریب کر دیا کہ یہ ایک بولی سے زبان کی صورت اختیار کرتی چلی گئی، بقول انور سدید: "درویشان ہند نے اپنے باطن کی روشنی کو عوام الناس تک پہنچانے کے لئے اردو الفاظ کا سہارا لیا اور قربت و اپنائیت کا وہ جذبہ پیدا کیا جو مسلمان بادشاہان ہند اپنی دولت و ثروت کے باوجود پیدا نہ کر سکے" ¹¹۔

شیخ بہاؤ الدین باجن (1388-1506)

یہ اردو کے پہلے باقاعدہ ادیب ہیں۔ شیخ باجن نے "خزائن رحمت اللہ" کے نام سے اپنا فارسی اور ہندی کلام کا مجموعہ مرتب کیا۔ اس میں صوفیاء کی معروف و مقبول صنف سخن جگر کی بھی شامل تھی۔ اس مجموعے (خزائن رحمت اللہ) میں انھوں نے اپنی تصنیف کردہ ہندی / ہندی جگریاں بھی شامل کیں۔ جگر کی اس زمانے میں شمال و جنوب کی معروف و مقبول صوفی صنف سخن تھی۔ شمس الرحمن فاروقی نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے: "خزائن رحمت اللہ" میں شیخ نے ایک عرصہ طویل کے لیے اردو زبان اور ادب کے حدود اربعہ بیان کر دیے: اس کی زبان ہندی ہے، اس کی بحریں ہندستانی بھی ہیں اور فارسی بھی۔ اس کے مضامین مذہبی / صوفیانہ بھی ہیں اور دنیاوی بھی اس شاعر کی جڑیں عوام میں گہری ہیں۔ اور ہر دلعزیز بن جانے کی صفت اس میں پوری طرح موجود ہے۔ اس کے معاملات میں زہد، روحانی اور صوفیانہ پاکیزگی نمایاں ہے۔ وطن کی محبت بھی ایک نمایاں وصف ہے" ¹²۔

خواجہ معین الدین چشتی: (متوفی 1235ء)

سلسلہ چشتیہ کے پیشوا خواجہ معین الدین چشتی پر تھوی راج پتھورا کے عہد میں تبلیغ حق کے لئے ہندوستان میں تشریف لائے۔ ملتان میں قیام کے دوران انھوں نے مقامی زبان میں مہارت حاصل کی اور اجمیر کو مرکز تبلیغ بنایا، ہندو اور مسلمان سب ان کے معتقد تھے اور وہ رشد و ہدایت کا درس مقامی ہندی زبان میں دیتے تھے۔ ان کا کوئی معتبر قول زبان ہندی میں دستیاب نہیں۔ ادبی لحاظ سے خواجہ فرید کی اہمیت یہ ہے کہ انھوں نے تخلیق شعر کے وہی عمل سے کام لیا۔ اس سے حضرت خواجہ چشتی اجمیری کی ہندی دانی اور ہندی گوئی کا ثبوت مل جاتا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا درست ہے کہ جن صوفیاء نے ہم خیالی کے لئے ہم زبانی کا طریقہ اختیار کیا ان میں خواجہ معین الدین چشتی کو اولیت حاصل ہے۔ ¹³

خواجہ فرید الدین گنج شکر: (متوفی 1265ء)

حضرت خواجہ فرید کا مرکز رشد و ہدایت پنجاب کا شہر پٹن تھا، ان کے ملفوظات کے دو مجموعے راحت القلوب و سراج الاولیاء منظر عام پر آچکے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت کا مطالعہ و سنج تھا اور ان کے دل میں علم کی بہت قدر تھی۔ ادبی لحاظ سے خواجہ فرید کی اہمیت یہ ہے کہ انھوں نے تخلیق شعر کے وہی عمل سے کام لیا۔ ان کے نام سے جو اشعار منسوب ہیں ان میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

تن دھونے سے دل جو ہوتا پوک پیش رو اصفیا کے ہوتے غوک
خاک لانے سے گر خدا پائیں گائے بیلاں بھی واصلان ہو جائیں
یہ ریختہ بھی حضرت گنج شکر سے منسوب ہے:

وقت سحر وقت مناجات ہے خیر در آں وقت کہ برکات ہے

چنانچہ حضرت خواجہ فرید مسعود شکر گنج کی عطا یہ ہے کہ انھوں نے پنجاب کی سر زمین سے اردو میں تخلیق شعر کا عمل جاری کیا۔¹⁴

امیر خسرو: (متوفی 1324ء)

یہ ساتویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں جنہوں نے اردو کی ادبی شان عطا روانے میں کافی خدمات کا مظاہرہ کیا ہے۔ انہوں نے فارسی و ہندی کی آمیزش سے اردو کا پہلا روپ پیش کیا ہے۔ یعنی امیر خسرو وہ پہلی شخصیت ہے جس نے فارسی و ہندی کی آمیزش سے اردو کا اولین نقشہ پیش کیا۔ امیر خسرو کو تیرہویں اور چودھویں صدی کے صوفیاء کرام میں یہ اہمیت حاصل ہے کہ انہوں نے ہندوستانی تہذیب کے ارضی عناصر کو شاعری میں سمو یا اور اردو دانی کے ابتدائی دور میں اس زبان کو جذباتی گرمی، داخلی توانائی اور نیا انداز اظہار عطا کر دیا۔ امیر خسرو نے ہندوی شاعری میں زبان کا وہ روپ پیش کیا جو عوام میں مقبول ہو چکا تھا۔ انھوں نے اس زبان کی تخلیقی قوتوں کو اجاگر کیا اور نئی نئی اختراعات پیدا کیں۔ دوہے، کہہ مکر نیاں، دو سٹخے، پہلیاں، گیت کہاوت، ڈھکوسلے اور ریختہ وغیرہ اصناف میں خسرو کی تخلیقات بے حد معیاری ہیں۔ ان کی کتاب خالق باری ایک الگ نوعیت کی تصنیف ہے۔ ریختہ میں ایک مصرعہ فارسی کا اور دوسرا ہندی کا تخلیق کرنا بھی امیر خسرو کی اختراع شمار ہوتا ہے۔ اس کی ایک مثال حسب ذیل ہے:

شبان ہجر اں دراز چوں زلف، بروز وصلش چوں عمر کو تاہ

سکھی بیبا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری ریتیاں

امیر خسرو کا لہجہ دھیمہ، مہین اور لطیف ہے اور مزاج میں ہندی اور موسیقی رچی ہوئی ہے۔¹⁵ امیر خسرو اپنے تین دواوین کے خالق ہیں تاہم ان کا ہندی دیوان ناپید ہے۔ البتہ ان کے نام سے بے شمار کہاوتیں، دو سٹخے، انمل، ضرب الامثال، کہا مکر نیاں، دوہے اور متعدد اشعار منسوب ہیں۔ رام بابو سکسینہ کے بقول اردو کی سب سے پہلی غزل کے خالق بھی امیر خسرو ہی تھے۔

”سب سے پہلی غزل اردو بھی امیر خسرو ہی کی طرف سے منسوب ہے۔ مگر اس کی ترکیب اس طرح ہے کہ ایک مصرع فارسی اور ایک اردو ہے اور بحر فارسی ہے اس کے علاوہ اکثر پہلیاں، کہہ مکر نیاں، انمل، دو سٹخے، دوہرے وغیرہ جو آج تک مشہور ہیں ان کی طرف منسوب ہیں۔ بعض شعر ایسے بھی ہیں جن میں ٹھیٹھ ہندی الفاظ جو بمشکل اردو کہے جاتے ہیں سنسکرت بحروں میں بندھے ہیں۔“¹⁶

شیخ خوب محمد چشتی

شیخ خوب محمد چشتی کا شمار گجرات کے اکابر صوفیاء میں ہوتا ہے۔ گجری کے سب سے بڑے شاعر کے طور پر بھی ان کا ذکر کیا جاتا ہے مگر عبدالقدوس گنگوہی اور سنت کبیر کو یہ اولیت حاصل ہے کہ ان سے پہلے کسی صوفی نے ہندوی / ہندی شالی ہند میں استعمال نہیں کی۔ خوب محمد چشتی کی مشہور تصنیف ”خوب ترنگ“ ہے۔ مولوی عبدالحق نے اسے خالص تصوف کی کتاب قرار دیا ہے۔ البتہ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ

شاہ علی محمد جیو کی کتاب ”جو اہر اسرار اللہ“ اس سے مختلف ہے۔ اس میں عشق و محبت کا رنگ ہے اور قلبی واردات کا ذکر ہے۔ ”خوب ترنگ“ اس کے مقابلے میں ایک خشک کتاب ہے جس میں صوفیانہ اصطلاحات میں تصوف کے مقامات کا بیان ہے۔“¹⁷

ولی دکنی

ولی نے عشق حقیقی سے عشق مجازی کا جو راستہ دکھایا دراصل اسی تصوف کے زیر اثر تھا، جس کی نہایت روشن مثالیں فارسی شعر کے یہاں ملتی ہیں۔ دراصل یہ تزکیہ قلب کا ایک ذریعہ ہے۔ واضح مذہبی تعلیمات کے علی الرغم انسان نے دنیا کی جن نفسانی خواہشات کو اپنایا اور انھیں اپنا رہنما بنایا ان کی شدت اور جذبے کو ختم کرنے کے لیے صوفیاء کرام نے نفس کشی کی تعلیم کو عام کیا۔ جس میں انسانی خواہشات کے مقابلے توکل اور قناعت کو مرکزیت حاصل تھی۔ شعراء نے صوفیاء کے انھیں نظریات کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ معاشرے میں انھیں موضوعات کو مقبولیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ان موضوعات کو معاشرے میں جو مذہبی اعتبار حاصل تھا، ولی نے اسے اپنی شاعری کی مقبولیت کا ذریعہ بنایا۔ ولی نے کہا کہ:

عشق میں لازم ہے اول ذات کو فانی کرے ہو فنا فی اللہ دائم یا دیزدانی کرے

ولی کوں نہیں مال کی آرزو خدا دوست نہیں دیکھتے زر طرف

جسے عشق کا تیر کاری لگے اسے زندگی کیوں نہ ہماری لگے

نفس سرکش پر جو کئی پایا ہے یاں فتح و ظفر دار عقبی کے بھتر الحق وہی منصور ہے

پہلے شعر میں فنا فی اللہ کی تعلیم دی گئی ہے، جب کہ دوسرا شعر توکل اور قناعت پر مبنی ہے۔ تیسرے شعر میں عشق کے تیر کاری کے بعد زندگی کا بھاری لگنا گویا عاشق محبوب کے وصال کا تمنائی ہے۔ اور اسی لیے یہ دنیا بھاری لگ رہی ہے۔ آخری شعر میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ نفس پر قابو پانا ہی اصل فتح مندی اور کامیابی ہے۔¹⁸

خواجہ میر درد (1720-1785)

میر درد کو صوفی شاعر کی حیثیت سے جانا جاتا ہے اردو شعر و ادب کی تاریخ میں درد کی قدر و منزلت اور معیار و مرتبہ صوفیانہ شاعر کی حیثیت سے ہی متعین کیا جاتا ہے۔ درد بذات خود نقشبندیہ سلسلے سے تھے، دلی کے پر آشوب دور میں جبکہ تمام شعر ادلی سے لکھنؤ یا بعض دوسرے مقامات کو ہجرت کر رہے تھے مگر درد نے دلی کی چوکھٹ نہیں چھوڑی بلکہ حالات کی حد درجہ خرابی کے باوجود وہ یہیں رہے۔¹⁹

خواجہ میر درد کے کلام میں جہاں ایک طرف ایقان و عقیدہ اور توکل و قناعت ہے تو دوسری طرف یاس و تشکیک کے پہلو بھی نمایاں ہیں قابل غور نکتہ یہی ہے کہ صوفی تو اپنی ہستی کو ایک ایسی ہستی / ذات میں ضم کرنے کا خواہاں ہوتا ہے جو اس سے بلند تر ہی نہیں بلکہ عظیم تر ہوتی ہے اور ایسے مواقع پر جذبہ کی کار فرمائی زیادہ ہوتی ہے۔²⁰ اس طرح کی شاعری میں ناامیدی اور خوف نہیں ہوتا ہے، جب کہ درد کے یہاں دونوں طرح کے اشعار پائے جاتے ہیں اسی لیے شمس الرحمن فاروقی نے درد کو ایک شاعر صوفی قرار دیا ہے نہ کہ صوفی شاعر۔ فاروقی نے درد کے کلام کی بنیادی خصوصیت تفکر کا تصور و تفضل قرار دیا ہے۔

جگ میں آکر ادھر ادھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پاسکے
میر ابی دل ہے وہ کہ جہاں تو سماں سکے
آتش عشق قہر آفت ہے
ایک بجلی سی آن پڑتی ہے
اذیت مصیبت ملامت بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

اردو کے بیشتر کلاسیکی شعرا نے صوفیانہ مضامین باندھے ہیں۔ اٹھارہویں صدی میں تو یہ بات زبان زد خاص و عام تھی کہ ”تصوف برائے شعر گفتن خوب است“۔ اردو شاعری کے سربر آوردہ شعرا میں میر وغالب کا شمار ہوتا ہے ان کے یہاں بھی صوفیانہ مضامین کی کمی نہیں اور اس میں انھوں نے اعلیٰ سے اعلیٰ مضامین باندھے ہیں۔²¹

خواجہ میر درد کے برادر اصغر خواجہ میر اثر بھی بلند پایہ شاعر و ادیب تھے۔ ان کی مثنوی خواب و خیال ایک اہم ادبی شاہکار ہے جو ان کی واردات قلبی کا عکس ہے۔ اس میں 3111 اشعار ہیں۔ وجہ تصنیف صفائے نفس اور اصلاح اکلاق ہے اور پچاس عنوانات پر مشتمل ہے۔²²

مولانا الطاف حسین حالی (1837ء-1914ء)

خواجہ الطاف حسین حالی، ہندوستان میں ”اردو“ کے نامور شاعر اور نقاد گزرے ہیں۔ غالب کی وفات کے بعد حالی لاہور آگئے اور یہاں محمد حسین آزاد کے ساتھ مل کر انجمن پنجاب کی بنیاد ڈالی۔ گویا جدید شاعری کی بنیاد رکھی گئی۔ اسی دوران 1879ء میں ”مسدس حالی“ سرسید کی فرمائش پر لکھی۔ ”مسدس“ کے بعد حالی نے اسی طرز کی اور بہت سی نظمیں لکھیں جن کے سیدھے سادے الفاظ میں انہوں نے فلسفہ، تاریخ، معاشرت اور اخلاق کے ایسے پہلو بیان کئے جن کو نظر انداز کیا جا رہا تھا۔ جب مغلیہ سلطنت آخری سسکیاں لے رہی تھی اس وقت بھی دلی مین بڑے بڑے علماء اور شعراء مقیم تھے جنہوں نے ادبی خدمات سے اس دور کو یادگار بنایا۔ ان حالات میں مولانا حالی اور ان کی شاعری و مقدمہ شعر و شاعری کی گونج تھی۔ حالی نے غزل و نظم کو نئے موضوعات اور تقاضوں سے ہم آہنگ کیا اور نئی اشیاء اور موضوعات کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے نئے رمزیہ انداز اپنائے۔ یوں ہی غزل اور نظم کا فرق ماند پڑھ گیا اور یہی حال نئے مضامین کے سبب حالی کی غزلوں کا بھی ہوا۔

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اٹھایا اس کو بٹھا کے چھوڑا
ابرار تجھ سے ترساں احرار تجھ سے لرزاں
جو زد پہ تیری آیا اس کو گرا کے چھوڑا
اک دست رس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اس کے بھی دل پہ آخر چر کالگا کے چھوڑا

مولانا حالی نے غزل کو عجمی رنگ سے آزاد کیا۔ مسدس حالی کی ادبی خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔²³

مولانا احمد رضا خان

امام احمد رضا خان بریلوی نامور محدث، فقیہ اور عالم باعمل تھے۔ قدرت نے انہیں دوسری علمی و روحانی صفات کے ساتھ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت بے بہا سے بھی نوازا رکھا تھا۔ یہی عشق رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طبع موزوں کی بدولت صفت و ثنائے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعمات میں ڈھلتا رہا۔ آپ تمام اصناف سخن پر یک گونہ مہارت رکھتے تھے۔ نعت کہتے ہوئے علوم شریعت میں اپنی دسترس کی وجہ سے جوش عشق و عقیدت کے باوجود بھی کمال کی احتیاط برتی۔ آپ نے قرآن حکیم کو نعت گوئی کا منبع نہ صرف قرار دیا بلکہ اپنی شاعری میں اس کا عملی اظہار بھی کیا۔ شاعری میں ان کے پیش نظر مداح رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

ذات گرامی مشعل راہ تھی۔ اپنے دور کے شعرا میں مولانا کفایت علی کافی کی نعت گوئی سے متاثر تھے۔ اکابر کے ہاں جس قدر ادب و احتیاط کا غلبہ تھا ویسا ہی منظر وہ ہر دور کے نعت گو شعراء کے ہاں دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کا دیوان حدائق بخشش کے نام سے شائع ہوا۔ علامہ عبدالستار ہمدانی مصروف نے امام احمد رضا خان بریلوی پر لکھی ہوئی کتاب فن شاعری حسان الہند میں حدائق بخشش کی دوسری بہت سی خوبیوں کے ساتھ اس میں استعمال کی ہوئی قریباً 31 صنعات شعر کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ایسی بہت سی صنعتیں بھی ہیں جن کی مثال اردو کے استاد شعرا حتی کے مرزا غالب کی شاعری میں بھی نہیں ملتی۔ ”قصیدہ معراجیہ“ میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفیر معراج کے حوالے سے آپ کی عظمت و فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ بذات خود فکر و فن کا شہکار اور کاروانِ مدحت نعت کا افتخار ہے۔ طویل بحر میں لکھا گیا یہ قصیدہ تشبیہات، استعارات اور برجستہ ترکیب کے حوالے سے اردو ادب کیلئے سرمایہ اعزاز ہے۔ یہ قصیدہ آپ کی جوڈت و جدت طبع کا آئینہ دار ہے۔ روانی و تسلسل اور زبان کی لطافت و پاکیزگی کے اعتبار سے معاصرین کے معراجیہ قصائد میں سب سے بلند ہے۔

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیئے ہیں جس راہ چل گئے ہیں کو چے بسا دیئے ہیں
جب آگئی ہیں جوشِ رحمت پہ ان کی آنکھیں جلتے بچھا دیئے ہیں روتے ہیں بسا دیئے ہیں²⁴

مولانا ظفر علی خان

وہ شاعری کی جملہ اصناف پر قدرت کا ملہ اور مہارت تامہ رکھتے تھے۔ غزل، قصیدہ، رباعی، قطعہ، نظم اور نعت کون سی صنف سخن تھی جس پر انہوں نے طبع آزمائی کی ہو اور ارباب فن سے داد و وصول نہ کی ہو۔ زمیندار کا مدیر شہیر نظم و نثر دونوں میں یکساں تاز تھا۔ وہ نظم کا رستم تھا تو نثر کا سہراب۔ وہ یقیناً ان مشاہیر میں سے تھے جنہوں نے زمین سخن کو آسماں بنایا تھا۔ مولانا خالی خولی صحافی نہیں بلکہ جامع الصفات شخصیت تھے۔ وہ بیک وقت قادر الکلام اور کامل الفن شاعر، صاحب اسلوب ادیب، بے باک صحافی، جگر دار سیاستدان، بے مثل اور بے بدل خطیب تھے۔ مولانا ظفر علی خان کی بے نظیر اور دل و دماغ پر نقش ہو جانے والی شاعری کو خواجہ حسن نظامی نے الہام کا نام دیا تھا اور مولانا سلیمان ندوی تو ظفر علی خان کو اردو کے صرف تین کامل الفن شاعروں میں سے ایک تسلیم کرتے تھے۔

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں اک روز جھلکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں
رحمت کی گھٹائیں پھیل گئیں افلاک کے گنبد گنبد پر وحدت کی تجلی کو ندگی آفاق کے سینازاروں میں²⁵

مولانا محمد حسین آزاد

انگریزی تہذیب کی رو میں انقلابی قومی رجحانات، مذہبی میلانات اور علم و ادب کے رجحانات نے سر اٹھایا اور اردو کے ادبی افق پر درخشندہ ستارے طلوع ہوئے جنہوں نے ادبی شہ پارے مرتب کیے۔ حالی، شبلی، محمد حسین آزاد، اکبر الہ آبادی، علامہ محمد اقبال، مولانا ظفر علی خان، داغ دہلوی اور حسرت جیسے شعراء نے ادبی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ حالی کے معاصرین خصوصاً مولانا محمد حسین آزاد بھی پیش پیش تھے۔

شاخ گل تک جو ذرا بار ہے پاتی بلبل پھولوں جاے میں نہیں اپنے ساتی بلبل
ہائے تو باغ میں خالی نہیں گاتی بلبل اور صبا گل سے ہے گک چہرے اڑاتی بلبل
ہے یہ افسانہ گل کس کو ساتی بلبل دھوم سے فصل بہار اب کے ہے آتی بلبل

شعر کو ایرانی اثرات سے نکال کر خالص ہندوستانی فضا کی عکاسی کے لیے رواج دیا۔²⁶

سید نصیر الدین نصیر شاہ گولڑوی

پیر نصیر الدین نصیر چشتی ایک شاعر، ادیب، محقق، خطیب، عالم اور صوفی باصفا و پیر سلسلہ چشتیہ تھے۔ آپ اردو، فارسی اور پنجابی زبان کے شاعر تھے۔ اس کے علاوہ عربی، ہندی، پوربی اور سرایتی زبانوں میں بھی شعر کہے۔ اسی وجہ سے انہیں "شاعر ہفت زبان" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر بہترین ادیب تھے۔ ان کا شعر و ادب سے شغف اور زبان دانی کا کمال ادبا اور شعرا سے لے کر عوام الناس تک مسلمہ ہے۔ سید نصیر الدین نصیر کی تصانیف خالصتاً دینی، مذہبی اصلاحی اور تحقیقی نوعیت کی حامل ہیں۔ آپ نے شعر و سخن اور تحریر و تقریر سے ہزاروں لوگوں کو اپنا دیوانہ بنایا۔ آپ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا تو قلم برداشت لکھتے ہی گئے۔ آپ کا انداز بیاں نثر اور نظم دونوں میں منفرد ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر اپنے دور کے بڑے نعت گو شاعر ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری روایتی طریقہ سے ہٹ کر سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔ پیر نصیر الدین نصیر نے ایک ایک نعتیہ شعر کو بڑی وارفتگی پیار و محبت اور چاہت و الفت رسول ﷺ کے جذبات کے پیش نظر رکھ کر نعت کی لڑی میں پرویا ہے۔

جو آستان سے تیرے لو لگائے بیٹھے ہیں خدا گواہ ہے زمانے پہ چھائے بیٹھے ہیں
چمک رہی ہے جبینیں تیرے فقیروں کی تجلیات کے سہرے سجائے بیٹھے ہیں
ایک ہم ہیں کہ اپنوں کے دل نہ جیت سکے وہ دشمنوں کو بھی اپنا بنائے بیٹھے ہیں
نصیر ہم میں اپنوں سی کوئی بات نہیں کرم ہے ان کا کہ اپنا بنائے بیٹھے ہیں۔

دیں ہمہ اوست (عربی، فارسی، اردو، پنجابی نعت)، رنگ نظام (رباعیات اردو)، دست نظر (غزلیات اردو)، تضمینات برکلام

حضرت رضا بریلوی اور دیگر شاعری کی کتب کے مؤلف ہیں۔ دور جدید میں نعت نگاری میں کوئی آپ کا ہم پلہ نہیں تھا۔²⁷

تذکرہ نویسی

شعراء کی سوانح حیات اور ان کے ادبی شہ پاروں کو مرتب کر کے تاریخی اور تعارفی انداز میں پیش کرنے کو تذکرہ نویسی کہتے ہیں۔ اس میں بھی علماء و صوفیاء کی گراں قدر خدمات ہیں چونکہ اسلامی علوم و فنون میں سوانح حیات اور معاصرین کی آراء کسی علمی خدمت کی قبولیت کے لیے اہم ہیں لہذا اسی منہج پر شعراء کے تذکرے بھی مرتب کیے گئے۔ خواجہ خاں حمید اورنگ آبادی کا تذکرہ "گلشن کفتار"، "سید فتح علی گردیزی کا تذکرہ" "گلشن راز" المعروف بہ تذکرہ "ریختہ گویاں" اور میر تقی میر کا تذکرہ "نکات الشعراء" اٹھارہویں صدی میں مکمل ہو چکے تھے۔ مولوی عبدالحق کے تذکرے چمنستان شعراء اور تذکرہ ہندی اور مولانا الطاف حسین حالی کا تذکرہ "مقدمہ شعر و شاعری" قابل ذکر ہیں۔ خواجہ میر حسن کا "تذکرہ شعراء اردو" بہت مقبول ہے۔ شعراء کے طبقات والے تذکرے تاریخ ادب کے پیش رو ہیں۔ ان میں مولانا محمد حسین آزاد کی "آب حیات" ہے جو تذکرہ کم اور تاریخ ادب زیادہ ہے۔²⁸

اردو نثر نگاری میں علماء و صوفیاء کی خدمات

اردو نثر کی ابتداء دکن سے ہوئی۔ تیرھویں صدی عیسوی میں پہلے مسلمان بادشاہ علاؤ الدین خلجی کی فوج میں صوفیاء اور دیگر پیشہ

جات کے ماہرین بھی تھے جنہوں نے ملی جلی بولی کو اپنا یا جس پر پنجابی، ہریانی اور کھڑی بولی کے نمایاں اثرات تھے اور عربی و فارسی کے ان گنت الفاظ داخل ہو گئے تھے۔ اس طرح شمالی ہند کی بولی کو ہندی، ہندوستانی، دکنی اور اردو معلّیٰ کے ناموں سے یاد کیا جاتا رہا۔ چودھویں صدی میں بھی بقول مؤلف تاریخ فرشتہ بہیمینی سلطنت کے دوران اسی زبان میں سرکاری امور سرانجام دیے گئے۔ اس زبان کی مقبولیت میں صوفیاء و مذہبی زعماء اور علماء و اسلامی مفکرین کا بڑا عمل دخل ہے۔ صوفیاء کے سرخیل خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، برہان الدین قطب عالم، سراج الدین ابوالبرکات شاہ عالم، شاہ میراں جی شمس العشاق، قاضی محمود دریائی، شیخ برہان الدین جانم، شیخ خوب محمد چشتی، عبدالرحیم خان خانان، سلطان باہو، بلھے شاہ، وارث علی شاہ کے علاوہ کبیر داس اور گورونانک کے نام بھی لیے جاتے ہیں۔ ان صوفیاء نے اردو کو ہندوستان میں بحیثیت زبان پروان چڑھانے اور ملک کے کونے کونے تک پھیلانے کا جو کارنامہ انجام دیا اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور یہی نہیں بلکہ انہی کی وجہ سے عوام میں اس زبان سے لگاؤ اور قربت پیدا ہوئی جس نے ایک بولی کو زبان کی شکل دی۔ بقول انور سدید: "یہ لوگ حب دنیا، حب جاہ اور حب دولت سے آزاد تھے۔ دنیا پرستوں کو حق، صداقت کی راہ دکھانا ان کا مقصد حیات تھا۔ چنانچہ درویشان ہند نے اپنے باطن کی روشنی کو عوام الناس تک پہنچانے کے لیے اردو الفاظ کا سہارا لیا اور قربت و اپنائیت کا وہ جذبہ پیدا کیا جو مسلمان بادشاہان ہند اپنی دولت و ثروت کے باوجود پیدا نہ کر سکے۔ ہم زبانی کے اس عمل نے اردو زبان کی ابتدائی نشوونما کو گراں قدر فائدہ پہنچایا" ²⁹۔

خواجہ بندہ نواز گیسو دراز

صوفیاء میں اولین ادیب سید محمد حسینی المعروف خواجہ بندہ نواز گیسو دراز ہیں جن کے مریدین ہندوستان کے طول و عرض میں پائے جاتے تھے۔ چودھویں صدی کے اواخر میں دہلی اور 1399ء میں گلبرگہ کو اپنا مسکن بنایا اور یہیں کے ہو گئے۔ عقیدت مندوں کی رہنمائی کیلئے ہندی یاد کنی (اردو) زبان میں وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے جن کو تحریری شکل دی گئی اور متعدد کتابیں مرتب ہوئیں۔ جیسے "معراج العاشقین"، "شکار نامہ"، "ہدایت نامہ"، "رسالہ سہ بارہ" اور "تلاوت الوجود"۔ ان کے بیٹے اکبر حسینی کی طرف بھی تصوف کی ان گنت کتب منسوب ہیں جو خرد برد زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ ان سب کا موضوع تصوف، مذہب اور احکام شریعت سے ہے۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں "حضرت صاحب علم و فضل اور صاحب تصانیف بھی ہیں۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو حدیث اور تصوف اور سلوک کا درس دیا کرتے اور گاہے گاہے درس میں کلام و فقہ کی تعلیم بھی ہوتی تھی۔ جو لوگ عربی فارسی سے واقف نہ تھے، ان کے سمجھانے کے لئے ہندی زبان میں تقریر فرماتے تھے" ³⁰۔

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سید اشرف جہانگیر سمنانی اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور برگزیدہ صوفی کے علاوہ صاحب تصانیف کثیرہ بزرگ بھی تھے آپ بیک وقت مصنف، مؤلف، مترجم، مفسر، مجدد، مصلح، محدث، فقیہ، محشی، مؤرخ، مفکر، نعت گو شاعر، منجم اور شارح تھے۔ مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی صرف عربی و فارسی پر ہی عبور نہیں رکھتے تھے بلکہ اردو زبان کے تشکیلی عہد کے میر کارواں تھے جنہیں کچھ ماہرین لسانیات نے دبستان اردو کا سب سے پہلا مصنف و ادیب بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ جامعہ کراچی کے شعبہ اردو کے سابق سربراہ ڈاکٹر ابوالیث صدیقی نے اپنی تحقیق میں دریافت کیا ہے کہ آپ کا ایک رسالہ (جسے ہم نے فہرست کتب میں چودھویں نمبر پر شمار کر لیا ہے) اردو نثر میں "اخلاق و تصوف" بھی ہے جو

اردو نثر کی پہلی تصنیف ہے۔ پروفیسر حامد حسن قادری کی تحقیق بھی یہی ہے کہ اردو میں سب سے پہلی نثری تصنیف سید اشرف جہانگیر سمنا کی کا رسالہ ”اخلاق و تصوف“ ہے جو 758ھ مطابق 1308ء میں تصنیف کیا گیا۔ وہ لکھتے ہیں ”حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنا کی کتب میں ایک کتاب ”اخلاق و تصوف بزبان اردو بھی ہے محققین کے مطابق یہی اردو نثر کا پہلا رسالہ ہے اب تک کی تحقیق متفقہ رائے تھی کہ شمالی ہند میں اٹھارویں صدی عیسوی / بارہویں صدی ہجری سے پہلے تصنیف و تالیف و نثر کا کوئی وجود نہ تھا یہ فخر دکن کو حاصل ہے کہ وہاں شمالی ہند سے چار سو برس پہلے اردو کی تصانیف کا آغاز ہوا لیکن اب سلطان سید اشرف جہانگیر سمنا کی رسالہ تصوف کی دریافت سے وہ نظریہ باطل ہو گیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ دکن میں اردو زبان کی بنیاد پڑنے سے پہلے شمالی ہند دکن میں امیر خسرو اور سید اشرف جہانگیر سمنا نے نظم و نثر کی بنیاد ڈالی“³¹۔

شمس العشاق میراں جی

پندرہویں صدی میں شمس العشاق میراں جی نے بیجاپور کو اپنی تبلیغ گاہ بنایا۔ انہوں نے اپنے مرشد کی ہدایت پر اپنے افکار و نظریات کو اردو زبان میں مرتب کیا اور چھ کتب تالیف کیں جن میں ”مرغوب القلوب“ اہم ہے۔ ان کی اس روش کو ان کے صاحبزادے برہان الدین جانم جاری رکھا اور اہم کتب ”کلمۃ الحقائق“، ”ہشت مسائل“ اور ”ذکر جلی“ تالیف کی۔ ان کے اس سلسلہ کو ان کے بیٹے خلیفہ امین الدین اعلیٰ آگے بڑھایا۔ متعدد خانقاہیں قائم کیں اور عقیدت مندوں نے خوب تعاون کیا۔ ان کی اہم تصنیف ”گنج مخفی“ ہے اور ان کے مریدین نے ان کے مشن کو چار چاند لگائے اور اردو کی ابتدائی تشکیل سازی ہوئی³²۔ سترہویں صدی اردو نثر کے فروغ میں ایک سنگ میل ہے جس میں دکن کے معروف شاعر و نثر نگار وجہی نے تالیفات کے سرمائے سے اردو ادب کو مالامال کر دیا۔ 1665ء میں اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”سب رس“ مکمل کی اور مختلف موضوعات کو کہانیوں کی صورت میں رقم کیا۔ حسن و عشق، عقل و دل اور قلب و نظر کو مجسمی انداز میں بیان کیا اور مواد و اسلوب کے اعتبار سے سب رس قدیم اردو نثر کا عظیم شہکار ہے۔ البتہ ”بیچ تنتر“ اور ”طوطی نامہ“ بھی اسی دور میں مرتب ہوا۔³³

اردو تراجم و حواشی

اس حقیقت سے اعراض ممکن نہیں ہے کہ اگر مسلمانوں کا مذہبی ادب و دینی تعلیمات اردو زبان میں نہ ہوتا تو اردو زبان کو موجودہ مقبولیت و مقام قطعاً حاصل نہ ہوتا۔ سب سے بڑا سبب اردو تراجم قرآن پاک و احادیث نبویہ ہیں۔ عربی اور فارسی کے بعد جب اردو نے ان کی جگہ لی، تو ان دونوں زبانوں کی یہ ہزار سالہ میراث بھی اسی کے حصہ میں آئی اور ایک ہزار سال سے عربی اور فارسی میں مختلف علوم و فنون کی اصطلاحوں کا جو ذخیرہ جمع ہوا تھا وہ سب اردو میں منتقل ہو گیا۔

قدیم اردو نثر کے ارتقاء میں دو تراجم قرآن پاک کا ذکر اشد ضروری ہے جو اٹھارویں صدی کے خاتمے سے کچھ پہلے دلی میں مشہور بزرگ شاہ ولی اللہ دہلوی کے دو صاحب زادوں مولانا شاہ رفیع الدین اور ان کے چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادر نے کیے۔ دونوں ترجموں میں 9 سال کا فرق ہے۔ شاہ رفیع الدین کا لفظی ترجمہ تھا، اس میں ہر لفظ کا اس طرح کیا گیا کہ اردو فقروں کی ساخت بالکل بدل گئی۔ چون کہ سلاست اور روانی نہ تھی، اس لیے اس کا اصل مفہوم سمجھنے میں دقت ہوتی تھی۔ یہ ترجمہ 1786ء میں ہوا تھا۔ عبدالقادر کا ترجمہ 1795ء میں ہوا، پہلے کے مقابلے میں زیادہ آسان، شگفتہ، سلیس اور رواں تھا۔ ان تراجم کا مقصد صرف یہ تھا کہ جو لوگ عربی زبان سے ناواقف ہیں، وہ بھی اس مقدس کتاب کو سمجھ لیں، پڑھ لیں۔ یہ ابتدائی مساعی ادبی نہیں تواریخی زمرے میں زیادہ شمار کی جاتی ہے۔ اٹھارہویں صدی عیسوی میں اردو زبان نہ صرف ادبی

زبان بن کر سامنے آئی بلکہ ان تراجم کے باعث ایک عام فہم زبان کی صورت اختیار کر گئی۔ اس سے پہلے فقہی کتابوں کے تراجم تو ہر ہے تھے، مگر قرآن کریم کے مکمل تراجم کی طرف کسی نے توجہ نہ دی۔ شاید اس کی وجہ ذخیرۃ الفاظ کی کمی تھی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ خاندان کے چشم و چراغ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اردو ترجمہ قرآن کی روایت کا باقاعدہ آغاز کیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان مساعی جلیلہ کے بعد بہت سے تراجم معرض وجود میں آئے۔ انہی میں ایک ترجمہ مولانا محمود حسن دیوبندی کا ہے، جو ”ترجمہ شیخ الہند“ کے نام سے مشہور ہے۔ انیسویں صدی عیسوی اردو تراجم کے لیے اہم ثابت ہوئی۔ اس عہد کا پہلا ترجمہ 1803ء میں فورٹ ولیم کالج کے ڈاکٹر گل کرائسٹ کے حکم پر علما کی ایک کمیٹی نے کیا، لیکن یہ ترجمہ ابھی تک شائع نہ ہو سکا۔ البتہ اس صدی کے آخر میں ڈپٹی نذیر احمد کا غراب القرآن (1896ء) اور فتح محمد جالندھری کا فتح المجید (1900ء) کے تراجم منظر عام پر آئے۔ بیسویں صدی عیسوی اردو تراجم کے حوالے سے دور انقلاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس صدی کے ابتدائی تراجم میں میرزا جیرت دہلوی (1901ء)، مولانا وحید الزمان (1905ء)، مولانا شرف علی تھانوی (1906ء) عبداللہ چکڑالوی کا ترجمہ (1907ء) اور امام احمد رضا خان کا کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن (1911ء)، شیخ الہند محمود الحسن کا موضح فرقان (1918ء)، مولانا ابوالکلام آزاد کا ترجمان القرآن (1935ء)، غلام احمد پرویز کا معارف القرآن (1949ء) کے معروف تراجم شامل ہیں۔

قیام پاکستان کے بعد اردو تراجم قرآن پاک کی ایک بڑی کھپ منصفہ شہود پر وارد ہوئی اور علماء کی اپنی مذہبی کتاب اور دینی نصاب سے محبت کی عکاس ہے۔ ان میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا ”تفہیم القرآن“، پیر کرم شاہ الازہری کا ”جمال قرآن“، ڈاکٹر طاہر القادری کا ”عرفان قرآن“، مولانا سید صفدر حسین نجفی کا ترجمہ قرآن، مفتی تقی عثمانی کا ”آسان ترجمہ قرآن“، مولانا عبدالحکیم شرف قادری کا ”تنزیل الفرقان فی ترجمۃ القرآن“، مولانا عبدالسلام بھٹوی کا ”ترجمۃ قرآن کریم“ اور شیخ محسن علی نجفی کا ”بلاغ القرآن“ اور دیگر تراجم قرآن عوام و خواص میں معروف و متداول ہیں۔³⁴

برصغیر میں قرآن مجید کی خدمت کی سعادت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان کے حصہ میں آئی۔ ان کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم قرآن مجید کا درس دیا کرتے تھے، خود حضرت شاہ ولی اللہ، ان کے بڑے صاحب زادے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کے سب سے چھوٹے صاحب زادے حضرت شاہ عبدالقادر بھی قرآن کے درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے۔ اس کے علاوہ عوامی سطح پر شاہ عبدالعزیز کا درس قرآن ہفتہ میں دو دن ہوا کرتا تھا، جس میں محدود اہل علم کے بجائے مغل حکمرانوں کے اہل خانہ، شہزادے اور اعلیٰ حکام سمیت عوام کی ایک بڑی تعداد شریک ہوتی تھی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کے تفسیری فوائد کے ساتھ ”تفسیر عثمانی“ کے نام سے ہندوپاک کے بہت سے مکتبوں میں دستیاب ہے مولانا شرف علی تھانوی کا ہے، جو ”حکیم الامت“ کے لقب سے مشہور ہیں، ترجمہ و تفسیر کے میدان میں حکیم الامت کا سب سے بڑا کارنامہ ”بیان القرآن“ ہے بیسویں صدی میں ”ترجمان القرآن“ کے نام سے ایک تفسیر معرض وجود میں آئی، جس کے مولف مولانا ابوالکلام آزاد ہیں۔ معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے طور پر کوئی ترجمہ نہیں کیا ہے، بلکہ شیخ الہند مولانا محمود حسن کا ترجمہ یعنیہ نقل کر دیا ہے۔ پھر خلاصہ تفسیر کے تحت مفتی محمد شفیع صاحب نے مولانا شرف علی تھانوی کے خلاصہ تفسیر کو ذکر کیا ہے تفسیر کی کتابوں میں ایک مشہور نام ”تفہیم القرآن“ کا بھی ہے، اس کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تحریر کیا ہے۔ اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحی نے ”تدبر قرآن“ کے نام سے ایک تفسیر لکھی ہے قرآن مجید کی خدمت کرنے والوں میں ایک نام مولانا محمد جونا گڑھی

کا بھی ہے، انہوں نے ”احسن البیان“ کے نام سے قرآن کا ترجمہ کیا اور اس پر تفسیری حاشیے کا کام مولانا صلاح الدین یوسف نے انجام دیا۔ جس میں فروغی مسائل کے بیان میں تشدد آمیز لہجہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا جو ناگرھٹی نے عربی تفسیر کی معروف و مشہور کتاب ”تفسیر ابن کثیر“ کا بھی اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی نے ”کنز الایمان“ کے نام سے قرآن کا ترجمہ لکھا ہے، جس پر تفسیری افادات مولانا نعیم احمد مراد آبادی کے ہیں سرسید احمد خان نے بھی قرآن کریم کی تفسیر کی ہے، مگر اکثر مقامات پر انہوں نے اسلاف کے خلاف رائے قائم کی ہے۔³⁵

قرآن مجید کی طرح اردو زبان جاننے والے علماء نے حدیث کے میدان میں اتنے وسیع پیمانے پر اور اس قدر جامعیت کے ساتھ کام کیا ہے کہ اس کے اثرات عرب دنیا میں بھی محسوس کیے گئے۔ عوام کے سامنے حدیث کے ذریعہ وعظ و اصلاح کا کام کرنے والے علماء اور واعظین، حدیث کی کتابوں کو اردو زبان میں ڈھالنے والے مترجمین، مختلف انداز میں اس کی تشریح قلم بند کرنے والے شارحین و مصنفین اور نئے نئے طریقوں سے اس پر غور و فکر کرنے والے محققین وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔ شیخ محمد بیگی نے اپنے استاذ محترم حضرت مولانا شیخ رشید احمد گنگوہی کے درس بخاری کو اردو میں قلم بند کیا تھا۔ کتب حدیث پر ہونے والا کام زیادہ تر اردو تراجم و شروحات اور درسی افادات و تقریرات پر مشتمل ہے، ان میں درسی افادات و تقریرات زیادہ تعداد میں ہیں۔ مولانا وحید الزمان رحمہ اللہ نے متعدد امہات حدیث کا ترجمہ کیا اور جگہ جگہ مفید حواشی بھی تحریر کیے جیسے تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری، المعلم ترجمہ صحیح مسلم، جائزہ الشعوذی ترجمہ جامع ترمذی، روض الربی من ترجمہ البحتبی، الہدی الممود ترجمہ سنن ابی داؤد، رفع العجاہ عن ترجمہ سنن ابن ماجہ، کشف المغطاء عن الموطا، مولانا اشفاق الرحمان کاندھلوی اور ان کے صاحبزادگان کے تراجم مقبول ہیں مثلاً ترجمہ جامع ترمذی از مولانا حامد الرحمن صدیقی، ترجمہ نسائی شریف از مولانا حبیب الرحمن صدیقی، ترجمہ ابن ماجہ از مولانا حبیب الرحمن صدیقی، ترجمہ صحیح مسلم از مولانا عابد الرحمن صدیقی، مولانا عبد الحکیم شاہ جہاں پوری نے بھی تراجم حدیث کے سلسلے میں اہم خدمات سر انجام دی ہیں۔ آپ نے صحیح بخاری، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ اور مشکوٰۃ المصابیح کو اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ اردو میں شروحات احادیث کی طرف بھی توجہ دی گئی اور کئی کتب کی شروحات سامنے آئیں زیادہ تر شروحات بخاری شریف کی تھیں مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ کی شرح مشکاۃ اور علامہ غلام رسول سعیدی علیہ الرحمہ کی شرح صحیح مسلم کو بے پناہ شہرت ملی اور اس کے علاوہ نعمۃ الباری فی شرح البخاری کے نام سے چودہ جلدوں میں بخاری شریف کی عمدہ شرح لکھی ہے۔ اردو شروحات میں میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد مولانا ابوالحسن سیالکوٹی کی فیض الباری ترجمہ و شرح صحیح بخاری ایک اہم شرح ہے۔ بخاری شریف کی اردو میں سب سے مفصل شرح لکھنے کا اعزاز شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمہ اللہ کے افادات پر مبنی کشف الباری شرح صحیح بخاری کو حاصل ہے۔ اردو شروحات میں ایک اہم شرح شاہ اسحاق صاحب کے شاگرد رشید نواب قطب الدین خان کی مشکوٰۃ شریف پر لکھی ہوئی شرح ”مظاہر حق“ ہے۔ اس کے علاوہ مختلف مکاتب فکر کے علماء نے امہات کتب حدیث کے اردو تراجم کیے اور احادیث پر احکام منطبق کیے۔ شروحات و تعلیقات، دروس و تقریرات اور مختلف علوم حدیث پر کتب تالیف کیں۔³⁶

سیرت رسول ﷺ پر بلا مذہب و ملت اصحاب علم و فن نے قلم اٹھایا اور ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ آج تک اسلامی و علوم و فنون پر جتنا لکھا گیا ہے اس میں غالب حصہ سیرت رسول پر مشتمل ہے۔ اس تعلق سے اردو زبان مالا مال ہے اس زبان میں سیرت کی قابل تحسین اور

محقق کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق اردو میں دس ہزار سے زائد کتابیں تیار کی گئی ہیں اور سیرت پر غالباً کسی اور زبان میں کتابیں نہیں لکھی گئی ہیں۔ یہ سلسلہ مولانا سید سلیمان ندویؒ کی ”رحمت عالم“ اور مولانا ابو الحسن علی ندویؒ کی ”رحمت عالم“ سے لیکر 13 جلدوں پر مشتمل ’نقوش‘ کے ”رسول نمبر“ تک پھیلا ہے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ انیسویں اور بیسویں صدی کی ایک معروف محقق اور سیرت نگار ہیں جنہوں نے اپنی بے بہا اور قیمتی نگارشات سے علمی دنیا کو مالا مال کیا ہے۔ انھوں نے سیرۃ النبی کے نام سے کتاب لکھی ہے جس کا بدل غالباً عربی زبان میں بھی نہیں ہے۔ ضیاء النبی از پیر محمد اکرم شاہ الازہریؒ یہ سیرۃ النبی ﷺ کے بعد دوسری بڑی ضخیم کتاب ہے۔ یہ 7 جلدوں پر مشتمل ہے اور سیرت کے ہر پہلو پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں تحقیقی انداز غالب ہے اور ہر بات حوالوں کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ سیرت سرور عالم: مولانا مودودیؒ ایک اور مایہ ناز تصنیف ہے۔ یہ اگرچہ مولانا مودودی کی کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں ہے اس کو مولانا نعیم صدیقی اور مولانا عبدالوکیل علوی نے تفہیم القرآن اور کچھ دوسرے تصانیف سے مرتب کر کے دو جلدوں میں شائع کیا۔ اب اس کی تیسری جلد بھی شائع ہو چکی ہے۔ تینوں جلدوں میں سیرت کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مولانا نے اس میں معتدل تجزیے کے ساتھ ساتھ منفرد اسلوب میں سیرت رسول کو روشناس کرایا۔ اصح السیر سیرت نبوی پر ایک بہترین تحفہ ہے اس کے مصنف حکیم ابو البرکات عبدالرؤف دانا پوری ہیں۔ محاضرات سیرت دور جدید میں سیرتی لٹریچر میں ایک اہم اضافہ ہے۔ اسکے مصنف معروف مفکر ڈاکٹر محمود احمد غازی ہیں انہوں نے ان خطبات یا محاضرات میں بحر بے کراں کو بند کر کے کتاب کو صحیح معنوی میں دیا اور کوزی کرنے کی مثال بن گیا ہے۔ النبی الخاتم ﷺ از مولانا مناظر احسن گیلانی سیرت پر ایک اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ یہ 450 عنوانات پر مشتمل ہے محمد عربی ﷺ از مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی اردو زبان میں ایک مقبول عام کتاب ہے۔ محسن انسانیت ﷺ از مولانا نعیم صدیقی ”بھی سیرت پر ایک شاہکار کتاب ہے۔ عہد نبوی کا تمدن از ڈاکٹر یسین مظہر صدیقی۔ عصر حاضر میں ڈاکٹر یسین مظہر صدیقی کا شمار بڑے سیرت نگاروں میں ہوتا ہے، انہوں نے سیرت نبوی کے مختلف پہلوؤں پر قابل ذکر کام کیا ہے۔ مولانا صفی الرحمن مبارکپوری کا مقالہ ’الرحیق المختوم‘ جو لحاظ سے تحقیقی نوعیت کا ہے اور اس کو پہلے انعام کا مستحق قرار دیا گیا۔³⁷

نثر نگاری میں علماء کی خدمات

اردو میں نثر کی شروعات اٹھارویں صدی میں ہوئی۔ غالب کے خطوط نے جدید نثر کو معیار عطا کیے۔ بعد میں سر سید احمد خاں، محمد حسین آزاد، حالی اور شبلی نے نثر نگاری کے میدان میں نمایاں رول ادا کیا۔ انیسویں صدی میں مختصر داستانوں مثلاً باغ و بہار (1802) اور رجب علی بیگ سرور کی داستان ’فسانہ عجائب‘ (1831) نے ہزاروں صفحات اور متعدد جلدوں پر مشتمل طول طویل اور ضخیم داستانوں مثلاً طلسم ہوش ربا اور داستان امیر حمزہ (1881-1917) کی جگہ لے لی۔ نذیر احمد (وفات: 1912)، رتن ناتھ سرشار (وفات: 1902) اور محمد ہادی رسوا (وفات: 1931) نے اردو میں ناول نگاری کی ابتدا کی۔ اگر مضمون نگاروں، غیر افسانوی نثر نگاروں، ادبی ناقدین اور محققین پر نظر ڈالیں تو بابائے اردو مولوی عبدالحق (وفات: 1961) ابو الکلام آزاد (وفات: 1958)، پطرس بخاری (وفات: 1958) محمود شیرانی (وفات: 1946)، شیخ محمد اکرام (وفات: 1973)، سید محمد عبداللہ (وفات: 1986)، مسعود حسین رضوی ادیب (وفات: 1975)، ایبتاز علی خان عرشی (وفات: 1981)، قاضی عبدالودد (وفات: 1984)، اور رشید احمد صدیقی (وفات: 1977) وغیرہ کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔

اردو زبان میں اسلامی ادب اور شریعت کی کئی تصانیف ہیں۔ اس میں تفسیر القرآن، قرآنی تراجم، احادیث، فقہ، تاریخ اسلام

روحانیت اور صوفی طریقہ کی بے شمار کتابیں دستیاب ہیں۔ عربی اور فارسی کی کئی کلاسیکی کتب کے بھی تراجم اردو میں ہیں۔ ساتھ ساتھ کئی اہم مقبول، معروف اسلامی ادبی کتب کا خزینہ اردو میں دستیاب ہے۔ اردو کے ارتقاء کی تاریخ میں فورٹ ولیم کالج اپنی تصانیف کے لحاظ سے ایک نشان منزل کا درجہ رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اس سے پہلے ہمارے یہاں نثر پر برائے نام ہی کچھ کام ہوا تھا۔ جیسے جدید اردو نثر کے پس منظر کی حیثیت سے پیش نظر رکھا جاسکتا ہے۔ جدید اردو نثر کا سلسلہ آغاز فورٹ ولیم کالج کی نثری تصانیف سے ہوتا ہے۔ اس سے پیشتر نثر کے جو نمونے ملتے ہیں، ان میں نثر اپنے اپنے زمانے کے صناعتی رجحان سے زیادہ متاثر ہے۔

سر سید احمد خان (وفات: 1898)

سر سید اس زمانے کے پہلے ایسے شخص ہیں جو اپنے عہد کی نثر کے نئے نئے نمونوں کو اپنی تحریروں میں بھی پیش کرتے ہیں اور اپنی تنقید و تبصرے میں بھی 1857ء کے عہد کے بعد عام لوگوں میں مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ سر سید اس مایوسی کو ختم کرنا اور طرز فکر کو بدلنا چاہتے تھے۔ اس کے لئے انہوں نے اور ان کے رفقاء نے جن میں حالی، شبلی، نذیر احمد اور مولانا حسین آزاد بطور خاص شریک ہیں۔ اردو نثر میں قابل ذکر اور لائق تعریف کارنامے انجام دیئے۔ ان لوگوں نے اس وقت کے انداز فکر کو موضوع بنا کر جیسے ہم احساس محرومی اور مایوسانہ سوچ سے تعبیر کر سکتے ہیں بہت کچھ لکھا اور مختلف زاویوں سے اپنے عہد کی سوچ و فکر کو پرکھے اور تعبیر و تنقید کی منزل سے گزارنے کی کوشش کی۔ ہم اس سلسلے میں سر سید کے ایسے مضامین کا حوالہ دے سکتے ہیں جس میں انہوں نے قوم کو احساس محرومی اور شکست کے ماحول سے باہر نکالنے کی کوشش کی۔ سر سید نے مایوسیوں میں گہری اپنی قوم میں زندگی کی نئی روح پھونکنے کی کوشش کی اور یہ کوشش کی کہ مسلمانوں میں نئے افکار اور نئے اقدار زندگی کا اثر و تاثر پھیلے۔ سر سید ایک عظیم تحریک کے بانی تھے۔ جس میں ان کے رفقاء بھی برابر کے شریک کار رہے۔³⁸

مولانا محمد حسین آزاد (وفات: 1910)

مولانا محمد حسین آزاد پر ہمارے زمانے کے ایک نقاد نے یہ لکھا ہے کہ ان کی تاریخی تصنیفات میں بے شمار تاریخی غلطیاں ہیں۔ یہ فقرہ مولانا کے لئے بہت رواداری میں قلم بند کیا گیا۔ مولانا کی تصانیف میں دربار اکبری کے علاوہ باقی کسی بھی تصانیف کو ہم تاریخی تصانیف کے ذیل میں نہیں رکھ سکتے۔ اور پھر ان کی غلطیاں تاریخ سے متعلق اتنی نہیں ہیں جتنی ظاہر کی گئی ہیں۔ مولانا کی تحریروں میں دلکش انداز بیان اور شگفتہ عبارت آرائی آج بھی بے نظیر ہے۔ اردو میں تمثیل کا موجد مولانا کو خیال کیا جاتا ہے۔ اور اس کے لئے ہم نیرنگ خیال کو بطور خاص پیش کر سکتے ہیں۔ اب حیات ان کی ایک تاریخی اور تنقیدی کتاب ہے جو اپنی خوبیوں کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے۔³⁹

مولانا الطاف حسین حالی (وفات: 1914)

مولانا حالی جدید نثر کے سب سے پہلے نثر نگار ہیں جنہوں نے اردو میں سنجیدہ اور متوازن تنقید کی بنیاد ڈالی۔ اور شعر و شعور پر ایک جامع نقطہ نظر پیش کیا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ باقاعدہ سوانح نگاری کی ابتداء بھی حالی سے ہی ہوتی ہے۔ حیات جاوید اور حیات سعدی اس فن پر اردو کی پہلی دو منفرد کتابیں ہیں۔ حالی اردو ادب کے وہ پہلے نثر نگار ہیں جنہوں نے اردو ادب کو تنقیدات عالیہ کا ایک معیاری نمونہ دیا اور اس کی ایک سے زیادہ مثالیں پیش کیں۔ حالی کے اسلوب میں دھیمپن اور سادگی پائی جاتی ہے۔ ان کی سادگی کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں بے رنگی نہیں۔ ان کی سادہ نگاریوں تو عام فہم اور بول چال کے الفاظ سے عبارت ہے۔ لیکن الفاظ کی خوبصورتی بھی ان کے پیش نظر رہتی ہے۔ ان کا قلم بیانات

کی کارگاہ میں نشیب و فراز سے دوچار نہیں ہوتا۔ بلکہ انکا آہستہ پن ہر جگہ برقرار رہتا ہے۔⁴⁰

مولانا شبلی نعمانی (وفات: 1914)

شبلی اردو ادب کے ایوان میں آج بھی اپنی خدمات کے پس منظر میں جگمگا رہے ہیں۔ مولانا الطاف حسین حالی نے شبلی نعمانی ہی کے لیے کہا تھا ”وہ اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں۔ شبلی نہ صرف یہ کہ ایک بڑے عالم اور ایک بڑے فلسفی تھے بلکہ ایک نیازویہ نگاہ رکھنے والے ادیب بھی تھے۔ علاوہ بریں وہ ایک بلند پایہ مورخ اور نقاد بھی تھے۔ ابتدا میں رنگیں غزلیں لکھیں بعد میں قومی اور مذہبی نظمیں لکھنے لگے۔ رومانیت کا فوس جاگا تو غزلیں پھر شروع کیں مگر فارسی میں مزایا رہا، مولانا شبلی کی زبان و بیان انداز تحریر و تقریر اردو کے ساتھ عربی و فارسی میں پرفل ہوتا تھا۔ انھوں نے بھی اردو نثر کو اپنی طرز ادا سے کچھ ایسے نمونے دیئے جو آج بھی قابل قدر اور لائق تحسین خیال کئے جاتے ہیں۔ شبلی کا اسلوب شگفتہ رواں متوازن اور علیت سے پُر ہے۔ وہ اپنے اسلوب میں تاثیر پیدا کرنے کے لئے شاعرانہ خوبیوں سے کام لیتے ہیں۔ شبلی کے یہاں انقلابی اور جو شیلے مواقع اکثر و بیشتر نظر آتے ہیں۔ ان موقعوں پر ان کا قلم خوب خوب جادو جگا تا ہے۔ شبلی اپنی تحریروں کے لحاظ سے اپنا ایک انفرادی رنگ رکھتے ہیں۔ ان کے چند مشہور تصانیف کے نام کچھ اس طرح ہیں ”شعر العجم“ (5 جلدوں میں)، ”موازنہ ائیس و دبیر“ ”الفاروق“ ”المامون“ ”سیرت النعمانی“ ”الغزالی“ ”سوانح مولانا روم“ ”علم الکلام“ ”الکلام“ ”الجزیہ“ ”فلسفہ اسلام“ ”سفر نامہ روم و شام و مصر“ ”حیات خسرو“ ”سیرت النبی“ ”دیوان شبلی“ وغیرہ۔ علامہ شبلی اپنی ذات میں ایک مکمل ادبی انجمن تھے۔⁴¹

امام احمد رضا خان (وفات: 1921ء)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کم و بیش مختلف عنوانات پر کم و بیش ایک ہزار کتابیں لکھیں ہیں۔ یوں تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے 1286ھ سے 1340ھ تک لاکھوں فتوے لکھے۔ لیکن افسوس کہ سب کو نقل نہ کیا جاسکا، جو نقل کر لینے گئے تھے ان کا نام ”العیایا النبویہ فی الفتاوی رضویہ“ رکھا گیا۔ فتاویٰ رضویہ جدید کی 30 جلدیں ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی چند دیگر کتب کے نام درج ذیل ہیں۔ ”سبحن السبوح عن عیب کذب مقبوع“ سچے خدا پر جھوٹ کا بہتان باندھنے والوں کے رد میں یہ رسالہ تحریر فرمایا جس نے مخالفین کے دم توڑ دیئے اور قلم نچوڑ دیئے۔ نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان اس کتاب میں آپ نے قرآنی آیات سے زمین کو ساکن ثابت کیا ہے۔ اور سانسد انوں کے اس نظریے کا کہ زمین گردش کرتی ہے رد فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں یہ کتابیں تحریر فرمائیں، المعتمد المستند، تجلی الیقین، الکو کبتہ، التھابہ سل، اکیوف، الہندیہ، حیات الاموات وغیرہ۔⁴²

بابائے اردو مولوی عبدالحق (وفات: 1961)

مولوی عبدالحق برصغیر پاک ہند کے عظیم اردو مفکر، محقق، ماہر لسانیات ہیں۔ انھوں نے اپنی ساری عمر اردو زبان کی ترقی و ترویج میں گذاردی اس لئے وہ بابائے اردو کہلائے۔ انجمن ترقی اردو دارالترجمہ اور جامعہ عثمانیہ پر بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق کا بڑا قرض ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب کو عربی، فارسی زبان پر خاصی عبوریت حاصل تھی، انکے تصنیفات میں اس لئے عربی، فارسی زبان کے الفاظ زیادہ ملتے ہیں۔ مولوی صاحب کامیاب محقق، بے لاگ نقاد، بے مثل ادیب اور خاکہ نگار تھے۔ آپکی تصنیف ”چند ہمعصر“ خاکہ نگاری کا نمائندہ شاہکار ہے۔ یہ تصنیف تنقیدی کارناموں میں نہایت کامیاب اور مشہور تصنیف ہے، اس تصنیف میں انہوں نے چند مشاہیر ادب کے خاکہ پیش کئے ہیں۔ انہوں

نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں ان میں اردو کی نشوونما میں صوفیا کرام کا حصہ، مرحوم دلی کالج، سرسید احمد خان (حالات و افکار) افکار حالی، نصرتی ملک الشعراء بجاپور، سر آغاز خان کی اردو نوازی، اردو زبان میں اصطلاحات کا مسئلہ، مرہٹی زبان پر فارسی کا اثر، انتخاب کلام میر، چند ہم عصر، قواعد اردو اور اردو صرف و نحو جیسی کتب شامل ہیں جب کہ تالیفی سرمایہ میں دی اسٹیڈرڈ اردو ڈکشنری، اسٹوڈنٹس ڈکشنری، جیسی لغات ہیں اور اس کے علاوہ بہت سی ایسی قدیم کتب کی تدوین و ترتیب ہے جو گوشہ گمنامی میں تھیں۔ ان پر معلومات افزا مقدمات تحریر کئے جو اپنی جگہ خود تحقیقی و تخلیقی اور تصنیفی حیثیت رکھتے ہیں۔ سینکڑوں کتب کے دیباچے و تعارف مولوی عبدالحق صاحب کے زور قلم کا نتیجہ ہیں انجمن ترقی اردو کی رودادیں، اردو کی ترویج کی خاطر برصغیر کے گوشے گوشے اور کونے کونے میں دیئے گئے خطبات اور ہزاروں اپنوں اور غیروں کو لکھے گئے مکاتیب، یہ سب کچھ مولوی عبدالحق صاحب کا تصنیفی و تالیفی سرمایہ ہے⁴³۔ مولوی عبدالحق تنقید و تحقیق کے مرد میدان تھے اور ایک نامور ادیب بھی۔ ان کا انداز تحریر، طرز بیان نہایت صاف، سلیس، سادہ اور آسان ہے۔ عبارت میں زور آور رنگین و دلکشی ہے، دیگر زبانوں کے الفاظ بھی عبدالحق کے ہاں خوب ملتے ہیں۔ ہندی، انگریزی الفاظ کی حسین آمیزش بھی انکے تصنیف میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ آپ اپنے مطلب کو سادہ و سلیس الفاظ میں بیان کرنا مناسب تسلیم کرتے ہیں۔ مولوی صاحب کی تصانیف ”مقدمات عبدالحق“، ”انتخاب کلام میر“ اردو ادب میں اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔⁴⁴

مولانا ابوالکلام آزاد

مولانا آزاد صرف ایک سیاست داں نہیں بلکہ ایک صاحب طرز ادیب، بہترین صحافی اور مفسر بھی تھے۔ انہوں نے شاعری بھی کی، انشائیے بھی لکھے، سائنسی مضامین بھی تحریر کیے، علمی و تحقیقی مقالات بھی لکھے۔ قرآن کی تفسیر بھی لکھی۔ غبار خاطر، تذکرہ، ترجمان القرآن ان کی اہم تصانیف ہیں۔ ’غبار خاطر‘ ان کی وہ کتاب ہے جو قلعہ احمد نگر میں قید کے دوران انہوں نے تحریر کی تھی۔ انہوں نے اپنے اخبارات کے ذریعے قومی، وطنی جذبات کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ’پیغام‘ اور ’لسان الصدق‘ جیسے اخبارات و رسائل بھی شائع کیے اور مختلف اخبارات سے بھی ان کی وابستگی رہی جن میں ’وکیل‘ اور ’امر‘ قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے 1912ء میں ’الہلال‘ اور 1916ء میں ’البرغ‘ جاری کیا تو گویا ان دور سالوں کے ذریعہ اردو صحافت کو معراج کمال تک پہنچا دیا اور یہ ظاہری و معنوی دونوں حیثیت سے اردو صحافت کے سنگ میل شمار کئے گئے۔⁴⁵

سید ابوالاعلیٰ مودودی (وفات: 1979ء)

اردو زبان کی قسمت کہ اسے مودودی جیسا قلم ملا جس کے گرد ہم خیالوں کی سلطنت محبت جتنی وسیع ہوتی گئی اردو کے جھنڈے بھی اسی قدر دور دور تک گڑتے گئے۔ جہاں تک مولانا مودودی کی محبت یا دعوت کی پہنچ ہے وہاں تک اردو نے بھی رسائی حاصل کی ہے۔ "مولانا مودودی اپنی تحریر میں رموز و قاف کا بہت خیال کرتے تھے۔ سوال، وقف کامل، اور حوالوں اور اتباسات اور روایت پر "واوین" کا استعمال بڑے فرینے سے کرتے۔ مولانا کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ ایسے الفاظ پر جن کے تلفظ کی ایک سے زیادہ صورتیں ہو سکتی ہیں یا اکثر جن میں لوگ مغالطہ کھاتے ہیں ان پر اعراب لگا دیتے۔ مولانا مودودی افکار کی ندرت اور گہرائی کے ساتھ کثرت تصانیف کے لحاظ سے بھی ایک عظیم مصنف ہیں۔ ان کی تصنیفات اردو ادب میں گراں قدر اضافہ ہے۔ مولانا کی تصانیف دینی مباحث، تاریخ، سیاسیات و عمرانیات، معاشیات

قانون، تعلیم اور ادب کے موضوع پر ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ مولانا نے جس موضوع پر بھی لکھا معیار سب کا سائیں ہے۔ انہوں نے کہیں بھی خود کو اس بلند سطح سے نیچے نہیں گرایا جس پر وہ "الجہاد فی الاسلام" کی تصنیف کے وقت پہنچ چکے تھے۔ مولانا نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے چند کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔ تفہیم القرآن (6 جلدیں)، دینیات، سنت کی آئینی حیثیت، مسلہ جبر و قدر، خطبات، اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں نشری تقریریں، مسئلہ قربانی، ختم نبوت، اسلام کا سرچشمہ قوت دکن کی سیاسی تاریخ تجدید و احیائے دین، خلافت و ملوکیت، غلاف کعبہ کی تاریخ الجہاد فی الاسلام، تحقیقات، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی، تحریک آزادی ہند اور مسلمان 2 جلدیں۔ مختصر یہ کہ مولانا نے دینی حقائق کو بیان کرنے کا اردو زبان میں بالکل ایک نیا ادبی اسلوب پیدا کیا۔ مقالاتی اور خطابتی ادب میں ان کے قلم نے کئی سنگ میل نصب کئے ہیں۔ یہی وہ قوت بیان کا نیا استعمال تھا جس کی مدد سے انہوں نے جامد مذہبی رجحانات کو ایک تحریک میں بدل دیا۔ مولانا مودودیؒ کی نشر کا اصل شاہکار ان کی تفسیر قرآن ہے جس نے سورتوں کے تمہیدی مباحث اور حواشی پر مشتمل ان کی علمی، لسانی، فقہی، تاریخی، اخلاقیاتی اور دینیاتی تصریحات نے ایک عظیم بیانیہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔ ان تفسیری حواشی میں ایسا اندرونی ارتباط ہے کہ مولانا کے بعض ساتھیوں نے ان کو بعض موضوعات کے حوالے سے مربوط کر کے پوری پوری تصانیف تیار کی ہیں۔ مولانا مودودی نے اردو زبان کو بے شمار انگریزی الفاظ کے نئے تراجم دیے ہیں۔ بہت سی اصطلاحات وضع کی ہیں، جگہ جگہ امثال سے مدد لی ہے۔ حسب ضرورت تشبیہات، استعارات اور تراکیب ایجاد کی ہیں۔ اس عام و وسیع لسانی خدمت کے علاوہ مولانا مودودی نے نوجوانوں میں ادب اسلامی کو فروغ دینے کے لئے تحریک پیدا کی۔⁴⁶

ضیاء الامت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری (وفات: 1998ء)

پیر کرم شاہ الازہری ایک عظیم صوفی و روحانی بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مایہ ناز مفسر، سیرت نگار، ماہر تعلیم، صحافی، صاحب طرز ادیب اور دیگر پیشہ خویوں کے مالک تھے۔ تفسیر ضیاء القرآن، سیرت طیبہ کے موضوع پر ضیاء النبی ﷺ، 1971ء سے مسلسل اشاعت پزیر ماہنامہ ضیاء حرم لاہور، منکرین حدیث کے جملہ اعتراضات کے مدلل علمی جوابات پر مبنی حدیث شریف کی اہمیت نیز اس کی فنی، آئینی اور تشریحی حیثیت کے موضوع پر شاہکار کتاب سنت خیر الانام، فقہی، تاریخی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور دیگر اہم موضوعات پر متعدد مقالات و شذرات آپ کی علمی، روحانی اور ملی خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ جمال القرآن قرآن کریم کا خوبصورت محاوراتی اردو ترجمہ جسے انگریزی میں بھی ترجمہ کیا گیا۔⁴⁷

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی موجودہ دور کے عظیم محقق، مدبر، مفسر، محدث اور مفکر ہیں۔ مسائل جدیدہ میں آپ کی رائے عالم اسلام میں مستند سمجھی جاتی ہے۔ آپ کی ایک اہم خصوصیت آپ کی کاغذ اور قلم کے ساتھ گہری وابستگی ہے اور ساتھ ہی آپ کی گراں قدر تصانیف ہیں، جن کے ذریعے آپ نے انفرادی، اجتماعی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کے اسلامی حل پیش کیے ہیں۔ آپ کی حیات طیبہ میں تصنیفات و تالیفات کا بھی ایک درخشندہ زندہ جاوید باب ہے۔ آپ کی تحریر پر مغز، مدلل اور ایسی عام فہم اور سلیس ہوتی ہے کہ دل کی اتھاہ گہرائیوں تک اترتی چلی جاتی ہے۔ مفتی محمد تقی عثمانی نے آسان فہم انداز میں قرآن پاک کا با محاورہ ترجمہ (آسان ترجمہ قرآن) لکھا ہے اور ترجمہ

کے ساتھ مختصر تشریحات بھی بیان کی ہیں تاکہ قاری کو جہاں مطلب سمجھنے میں دشواری ہو، وہاں وہ حاشیہ کی تشریح سے رہنمائی لے سکے، علوم القرآن مفتی اعظم مفتی محمد شفیع کی معروف تفسیر معارف القرآن پر لکھے جانے والے مقدمہ کی تفصیلی و تشریحی صورت ہے، جسے بعد ازاں اس کی اہمیت کے پیش نظر کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ "مکملہ فتح الملہم" مفتی تقی عثمانی کی شرح ہذا دراصل شبیر احمد عثمانی کی شرح "فتح الملہم" کا تمملہ ہے۔ فتاویٰ عثمانی دراصل مفتی تقی عثمانی کے پینتالیس سالہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔ اس کے علاوہ سینکڑوں اردو کتب کے مؤلف ہیں جیسے ہمارے عائلی مسائل، بائبل کیا ہے؟، عیسائیت کیا ہے؟، فتنہ قادیانیت اور ملت اسلامیہ کا موقف، اسلامی بینکاری، غیر سودی بینکاری، جدید معاشی مسائل، ملکیت زمین اور اس کی تحدید، ہمارا معاشی نظام، اسلام اور سیاسی نظریات، نفاذ شریعت اور اس کے مسائل، اصلاح معاشرہ، حقوق العباد اور معاملات، موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں، سفر نامہ جہاں دیدہ، سفر در سفر اور ہمارا تعلیمی نظام۔⁴⁸

علامہ عبد السلام بن محمد بھٹوی

حافظ عبد السلام بن محمد تعلیم و تدریس، ارشاد و خطابت اور طب و حکمت کا شغف رکھنے کے ساتھ تالیف و تحقیق سے بھی گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے قرآن مجید کا آسان فہم اردو ترجمہ کیا اور قرآن مجید کی تفسیر بھی "تفسیر القرآن الکریم" کے نام سے لکھ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کی دیگر تالیفات اور تراجم میں شرح "کتاب الجامع من بلوغ المرام"، شرح "کتاب الطہارہ من بلوغ المرام"، مقالات طیبہ، احکام زکوٰۃ و عشر، ترجمہ اسلامی عقیدہ، ترجمہ حصن المسلم، ہم جہاد کیوں کر رہے ہیں؟، مسلمانوں کو کافر قرار دینے کا فتنہ، مسلمانوں میں ہندوانہ رسوم و رواج، حلال و حرام کاروبار شریعت کی روشنی میں اور ایک دین چار مذاہب جینی کتب تحریر کر چکے ہیں۔⁴⁹

علامہ محمد عبد الحکیم شرف

علامہ شرف قادری ایک عظیم قلم کار تھے آپ نے عربی، اردو اور فارسی میں متعدد موضوعات و عنایں پر قلم اٹھایا علماء کے تذکرے، اور مختلف عربی و فارسی کتب کے تراجم رقم کیے۔ آپ کی تحریریں افراط و تفریط سے پاک اور اعتدال سے آراستہ ہیں۔ آپ نے ایک کثیر تعداد میں کتب لکھیں اور قرآن مجید کا ترجمہ (انوار الفرقان فی ترجمہ معانی القرآن) بھی کیا۔ البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، تحریک پاکستان کے سرگرم مجاہد حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی، اصول ترجمہ قرآن کریم، احسان الہی ظہیر کی کتاب البریلویہ کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، شرح بخاری کی تکمیل پر ہدیہ تبریک، نور نور چہرے، مقالات، تذکرہ اکابر اہل سنت، مقدمات رضویہ، عقائد و نظریات، ترجمہ قصیدہ بردہ شریف اور الجواہر الغالیہ من الالسانید الغالیہ۔⁵⁰

علامہ محسن علی خنجی

آپ نے نجف اشرف میں اپنی طالب علمی کے دوران میں ہی ایک کتاب "المنہج السوی فی معنی المولیٰ والولی" عربی زبان میں لکھی جس سے آپ کی علمی صلاحیت اور عربی زبان پر دسترس کی نشاندہی ہوتی ہے، اس کتاب میں مولیٰ اور ولی کے معنی و مفہوم کو کتاب و سنت اور لغت کے اعتبار سے مکمل واضح کیا ہے۔ اس کتاب پر معروف محقق آقا بزرگ تہرانی نے مقدمہ لکھا۔ مزید برآں مختلف موضوعات پر لکھی گئی دسیوں کتب آپ کی علمی قابلیت و استعداد کا واضح دلیل ہے جیسے الکوثر فی التفسیر القرآن 10 جلدیں، بلاغ القرآن (ترجمہ و حاشیہ) (جو چھ سالوں میں سات بار چھپ چکا ہے)، المنہج السوی فی معنی المولیٰ والولی، دراسات الاید و الوجیہ المقارنہ، محنت کا اسلامی تصور، فلسفہ نماز، راہنماء اصول، تلخیص

المناطق للعلامۃ المظفر، تلخیص المعانی للتفتنازانی، اسلامی فلسفہ اور مارکسزم، تدوین و تحفظ قرآن، شرح و ترجمہ خطبہ زہراء سلام اللہ علیہا، آئین بندگی، بیسیوں علمی مقالات جو مختلف ملک اور غیر ملکی جرائد و مجلات میں چھپ چکے ہیں۔⁵¹

ناول نگاری

لکھنؤ میں سرشار اور شر جیسے اہل قلم پیدا کئے۔ شر کا شمار بھی اردو کے اولین ناول نگار میں ہوتا ہے۔ ان کے اکثر ناول لکھنؤ کی بدلتی ہوئی تہذیبی فضا اور معاشرتی ماحول کی عکاسی کرتے ہیں۔ انکی تحریروں میں لکھنؤ کی مٹی ہوئی تہذیب کی منہ بولتی تصویریں ہمیں ملتی ہیں۔ لکھنؤ کی زبان اور روزمرہ کی چاشنی سرشار کی تحریروں میں بطور خاص ملتی ہے۔ فسانہ آزاد کو ہم ان کی، ان کے دور کی اور لکھنؤی تہذیب کی ایک نمائندہ تصنیف کہہ سکتے ہیں۔ اردو میں تاریخی ناول لکھنے کی روایت شر سے شروع ہوتی ہے۔ وہ ایک اچھے ناول نگار ہی نہیں انشاپرداز بھی ہیں اور اردو ناول نگاری کی تاریخ میں ان کا ایک خاص مقام ہے۔ ’مصور غم‘ راشد الخیری کا ادبی خطاب ہے۔ انھوں نے بھی اردو نثر کے سلسلے میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ پریم چند بھی اس ذیل میں آتے ہیں۔ اور خواجہ حسن نظامی بھی جن کا دور کچھ بعد کا دور ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مولوی عبدالحق، سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری، آل احمد سرور، مجنوں گورکھپوری، قاضی عبدالستار، رشید احمد صدیقی اور فرحت اللہ بیگ جیسے انشاپردازوں نے اردو نثر کو نئے اسالیب سے آراستہ کیا ہے اور نئے سانچوں میں ڈھالا ہے۔⁵²

اگر ہم اردو کی پھیلی تاریخ کو دیکھیں تو دینی تحریکوں، مذہبی اکابرین اور روحانی شخصیتوں نے اس کے فروغ میں بہت زیادہ حصہ لیا ہے۔ اردو کا خزانہ جمع کرنے میں تو اسلامی ذہنوں کا حصہ ہے۔ سرسید احمد اور ان کے رفقاء (مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، مولانا محمد حسین آزاد اور مولوی نذیر احمد) نے جدید اردو نثر کو مستند اور دیرپا بنیادوں پر استوار کیا اس بناء پر انہیں اردو ادب کے ارکان خمسہ کہا جاتا ہے۔ سرسید احمد خان نے مضمون نگاری، مولانا الطاف حسین حالی اور مولانا شبلی نعمانی نے سوانح نگاری، مولانا محمد حسین آزاد نے جدید انشائیہ نگاری اور مولوی نذیر احمد نے جدید ناول نگاری کی طرح ڈالی جس پر جدید نثر کی عمارت استوار ہوئی۔ جس کو بعد میں مولانا ابوالکلام آزاد، خواجہ حسن نظامی، رشید احمد صدیقی اور شاہد احمد دہلوی نے پروان چڑھایا۔ اردو زبان کی ترویج و ترقی میں دینی لٹریچر کے تراجم و حواشی، ترتیب و تخریج اور تفسیر و تشریح کا بڑا عمل دخل ہے جس سے انکار ممکن نہیں ہے بلکہ اسی دینی نسبت و حمیت کی بابت آج اردو زبان و ادب کو تاریخ انسانی میں یہ مقام حاصل ہے اور آج دنیا کی انگریزی اور عربی کے بعد دنیا میں بولی اور سمجھی جانے والی تیسری بڑی زبان ہے۔ اگر مسلمانان پاک و ہند اس کا بروقت انتخاب اور مذہبی دعوت و تبلیغ کے لیے اختیار نہ کرتے تو یہ بھی تاریخ میں قصہ ماضیہ بن جاتی۔ اردو زبان کی معرفت و مقبولیت علمائے کرام، اولیائے عظام اور اسلامی ادب کی مرہون منت ہے۔

حوالہ جات

- 1 مولوی عبدالحق، اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام، مطبع انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی 2011ء، ص 9-13
- 2 ڈاکٹر تیسم کاشمیری، اردو ادب کی تاریخ، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور 2015ء، ص 20-21
- 3 مرزا محمد عسکری، تاریخ ادب اردو، گلوب پبلشرز اردو بازار لاہور 1986ء، ص 38-39
- 4 ڈاکٹر غلام حسین، اردو کی پیدائش و ارتقاء، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، مطبع پنجاب یونیورسٹی لاہور 2009ء، ص 39-48
- 5 ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ہندوستانی لسانیات، عزیز پبلشرز لاہور 1992ء، ص 25
- 6 حافظ محمود شیرانی، پنجاب میں اردو، ریختہ. آرگ، ص 232
- 7 رام بابو سکینہ، تاریخ ادب اردو، مترجم مرزا محمد عسکری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور 2011ء، ص 72
- 8 سید نور الحسن ہاشمی، مقدمہ کلیات ولی، انجمن ترقی اردو کراچی 1954ء، ص 37-39
- 9 ڈاکٹر محمد صادق، ولی، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ص 312-318
- 10 تصوف، اردو ادب اور ہمارا معاشرہ، اردو ریسرچ جرنل 2017
- 11 انور سدید، اردو ادب کی مختصر تاریخ، مطبع نائیس پریٹنگ پریس صاحب آباد یو پی، ص 68
- 12 شمس الرحمان فاروقی، اردو کا ابتدائی زمانہ، مطبع آج کی کتابیں، کراچی 1999ء، ص 70-69
- 13 ڈاکٹر روبینہ ترین، ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ، ص 86-87
- 14 پنجاب میں اردو، ص 234-235
- 15 اردو ادب کی مختصر تاریخ، ص 72-70
- 16 رام بابو سکینہ، تاریخ ادب اردو، مترجم مرزا محمد عسکری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور 2011ء، ص 36
- 17 اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام، ص 64
- 18 ڈاکٹر محمد صادق، ولی، تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند، پنجاب یونیورسٹی لاہور 2009ء، ج 1، ص 315-319
- 19 میر درد، علم الکتاب، مطبع انصاری دہلی 1308ھ، ص 74-77
- 20 رسالہ نالہ درد، بحوالہ میر درد کا تصوف، ص 56
- 21 نثار احمد فاروقی، تلاش میر، مکتبہ جامعہ لمٹید دہلی 1974
- 22 تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ج 2، ص 130-133
- 23 پروفیسر نور الحسن نقوی، تاریخ ادب اردو، میتھنل انسٹیٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز میر پور آزاد کشمیر، ص 128-129
- 24 گوہر ملیسانی، عصر حاضر کے نعت گو، گوہر ادب پبلیکیشنز صادق آباد راولپنڈی 1983ء، ص 80
- 25 مرزا محمد عسکری، تاریخ ادب اردو، گلوب پبلشرز لاہور 1986ء، ص 654
- 26 ڈاکٹر عبادت بریلوی، غزل اور مطالعہ غزل، ناشر انجمن ترقی اردو پاکستان 1955ء، ص 15-20
- 27 عصر حاضر کے نعت گو، ص 165
- 28 ڈاکٹر محمد انصار اللہ، شعرائے اردو کے اولین تذکرے، مطبع بیت الابصار علی گڑھ 1978ء، ص 33

- ²⁹ انور سدید، اردو ادب کی مختصر تاریخ، مطبع ٹائیس پریس ٹنگ پریس صاحب آباد یوپی، ص 70
- ³⁰ اردو زبان کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام، ص 71
- ³¹ پروفیسر حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، مطبع مقبول اکیڈمی لاہور 1998ء، ص 24
- ³² اردو زبان کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام، ص 93
- ³³ پروفیسر نور الحسن نقوی، تاریخ ادب اردو، مطبع نیشنل انسٹیٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز میر پور آزاد کشمیر، ص 61
- ³⁴ حافظ سراج الدین، تراجم قرآن اور اردو زبان، مطبع نشریات الحمد مارکیٹ لاہور 2019ء، ص 7-9
- ³⁵ مولانا افتخار احمد، تفسیر اور اس کا ارتقاء، سیارہ دانش، قرآن نمبر 2، 560، ڈاکٹر محمد آفتاب خان، علم تفسیر و حدیث کا ارتقاء، ادبیات لاہور، ص 89-95
- ³⁶ مولانا سید اللہ سعدی، دور جدید کا حدیثی ذخیرہ، ص 18-24، ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ، ج 8، شمارہ نومبر 2017
- ³⁷ محمد رفیق چوہدری، سیرت نگاری کا آغاز و ارتقاء، فریڈے سیشنل میگزین، 26 مارچ 2021ء
- ³⁸ تاریخ ادب اردو، ص 242-245
- ³⁹ ایضاً ص 247
- ⁴⁰ ایضاً ص 248
- ⁴¹ فزانہ صدف، اظہار خیال، روزنامہ ایکسپریس نیوز، 4 جون 2014ء، تاریخ ادب اردو، ص 251
- ⁴² ڈاکٹر مسعود احمد، حیات اعلیٰ حضرت، مکتبہ المدینہ باب المدینہ کراچی، ص 185
- ⁴³ مشفق خواجہ، سرنامہ، بابائے اردو نمبر 6، ص 218، مطبع ”قومی زبان“، کراچی اگست 1964ء
- ⁴⁴ سکندر علی، بابائے اردو مولوی عبدالحق کی حیات و ادبی خدمات، اودھ نامہ جون 2018ء
- ⁴⁵ ڈاکٹر مرثیہ عارف، مولانا آزاد کی ادبی خدمات، اردو نیوز، نومبر 2017
- ⁴⁶ نعیم صدیقی، المودودی، ادارہ مطالعہ و تحقیق، لاہور، ص 16-21
- ⁴⁷ ڈاکٹر محمد نعیم الازہری، ماہنامہ ضیاء حرم، اپریل 2019ء، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور، ص 23-24
- ⁴⁸ لقمان حکیم، لمحات من حیات القاضی تقی عثمانی، مکتبہ الحکمۃ کراچی 1420ھ، ص 23-32 / محمد اکبر شاہ بخاری، اکابر علمائے دیوبند، ادارہ اسلامیات لاہور 1419ھ، ص 551
- ⁴⁹ عبد السلام بن محمد، مختصر تفسیر القرآن الکریم، دارالاندلس لاہور 2017ء، ص 12 / میاں محمد یوسف سجاد، تذکرہ علمائے اہل حدیث پاکستان، جامعہ ابراہیمیہ نصر روڈ سیالکوٹ، ج 3، ص 25
- ⁵⁰ محمد عبدالستار طاہر، محسن اہل سنت، رضا دارالاشاعت لاہور 1999ء، ص 197-201
- ⁵¹ علامہ محسن علی نجفی، مقدمہ تفسیر الکوش، ط مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور 2019ء، ج 1، ص 11-12
- ⁵² ڈاکٹر سلیم اختر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور 2003ء، ص 490